شذرات

انتخابات۲۰۱۳ اور بھارت کے ساتھ تعلقات | محمد بلال | ۲

نیا پاکستان مبارک! | خورشید ندیم | ۵

قرآنیات

سورۃ التوبہ (۶) | جاوید احمد غامدی | ۹

معارف نبوی

فتنوں سے متعلق انذار نبی صلی اللہ علیہ وسلم | معز امجد/شاہد رضا | ۱۳

دین و دانش

احکام شریعت بطور نعمت الٰہی | محمد عمار خان ناصر | ۲۳

سیر و سوانح

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۳) | محمد وسیم اختر مفتی | ۳۳

نقطۂ نظر

صلوٰۃ (نماز) (۳) | پروفیسر الطاف احمد اعظمی | ۴۳

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

انتخابات ۲۰۱۳ اور بھارت کے ساتھ تعلقات

اسلامی شریعت یہ ہے کہ ''اوران (مسلمانوں) کا نظام ان کے باہمی مشورے کی بنیاد سے چلتا ہے۔'' ۱۱ مئی کو پاکستانی عوام نے دھرنوں، احتجاجوں اور دھماکوں کو مسترد کر دیا۔ انھوں نے ۲۰۱۳ کے انتخابات میں بھر پور حصہ لیتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا اور یوں شان دار دین داری کا مظاہرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس معاملے میں اہل پاکستان نے بلوغ حاصل کرنے میں قابل ذکر ترقی کی ہے۔ امید کی جاسکتی ہے کہ یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو ہمارے سیاسی کلچر کی خرابیاں بھی آہستہ آہستہ کم ہونا شروع جائیں گی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ان انتخابات میں بھارت کے ساتھ دشمنی اور اس کے خلاف سخت تخریبی پر جوش بیان بازی کو انتخابی مہم میں استعمال نہیں کیا گیا، بلکہ انتخابی مہم کے عروج کے دنوں میں بھارت کے ساتھ تنازعات ختم کر کے پرامن تعلقات قائم کرنے کی بات کرنے والے سیاست دان کو سب سے زیادہ ووٹ ملے۔ یہ بات پاکستانیوں کے ساتھ ساتھ بھارت میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے بھی خوش خبری کا درجہ رکھتی ہے۔ پاک بھارت تناؤ کے موقع پر وہاں کے مسلمان بھی سخت مشکلات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہاں کے متشدد لوگ انھیں طنزاً پاکستان چلے جانے کی راہ دکھانے لگتے ہیں۔

ہمارے انتہا پسندوں کی یہ سوچ کہ بھارت کے جسم سے خون ٹپکاتے رہو، ایک نہ ایک دن وہ نیلا ہو کر کمزور پڑ جائے گا خود پاکستان کے لیے بھی خطرناک ہے۔ جب ایک قوم دوسری قوم کے جسم سے خون ٹپکائے گی تو دوسری قوم اس کے لیے پھولوں کے ہار تیار نہیں کرے گی بلکہ وہ ردعمل میں اس قوم کے جسم سے زیادہ خون نکالنے کی بھر پور کوشش کرے گی۔ اس کڑوی حقیقت کا انکار بھی مشکل ہے کہ آج اس سوچ کا الٹ نتیجہ نکل چکا ہے۔ حتیٰ کہ دنیا میں بھارت

پاکستان سے بلند تر مقام حاصل کر چکا ہے۔

چھوٹے چھوٹے مسائل میں الجھ کر بڑے بڑے نقصانات کا سامنا کرنا اور فائدوں سے محروم ہونا دانش مندی نہیں ہے۔ پچھلے دنوں چین کے نئے وزیر اعظم لی کی چیانگ نے سب سے پہلے بھارت کا سرکاری دورہ کیا۔ حالانکہ دونوں ملکوں کے درمیان کئی دہائیوں سے جاری سرحدی تنازعے میں مارچ میں اضافہ ہو گیا تھا۔ بھارت نے الزام لگایا تھا کہ چینی فوج نے بھارتی سرحد کی خلاف ورزی کی ہے۔ دلی میں چینی وزیر اعظم نے یہ کہا کہ دونوں ملکوں میں اختلافات سے زیادہ مفادات موجود ہیں۔ ہمیں ان اختلافات کو کھلے ذہن کے ساتھ سلجھانے کی ضرورت ہے۔ انھوں نے بھارتی وزیر اعظم سے اعتماد کی تعمیر کا وعدہ کیا۔ اس دورے میں دونوں ممالک نے آٹھ معاہدوں پر دستخط کیے۔ اس دورے میں سرحدی تنازعے پر تفصیل سے اور دوٹوک انداز میں بات ہوئی مگر وہ دوسرے امور پر اثر انداز نہ ہو سکی۔

اسی طرح پاکستان اور بھارت کو بھی اعتماد کی تعمیر کرنی چاہیے۔ نارمل حالات میں دو قومیں آپس میں ملیں، بات چیت کریں تو ایک دوسرے کو جاننے کا موقع ملتا ہے، غلط فہمیاں رفع ہوتی ہیں، مخفی مشترک امور ظاہر ہوتے ہیں۔ باہمی عزت و احترام کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ دلوں میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور باہمی مسائل حل ہونے کے امکانات روشن ہوتے ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

پاک بھارت تعلقات محض کوئی خارجہ امور کا عام مسئلہ نہیں ہے۔ یہ بہتر تعلقات دونوں ملکوں کے غربت اور جہالت کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے کروڑوں عوام کے لیے خوش حالی اور تعلیم کا سورج طلوع کر سکتے ہیں، اور انھیں دونوں ملکوں کی ردعمل کی نفسیات اور انا کی شکار قیادت کے ظلم سے بچا سکتے ہیں۔ اس ضمن میں حکیمانہ اور صابرانہ حکمت عملی اختیار کر کے بے پناہ فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ دنیا کی کسی بھی قوت کے مقابلے میں اللہ کا ساتھ ہمیں انتہائی غیر معمولی ثمرات سے ہم کنار کر سکتا ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، مجوسی اور نصرانی بنا دیتے ہیں۔ افسوس ہماری مذہبی اور سیاسی قیادت نے بھی ہمارے عوام کو غیر فطری اور غیر انسانی تعصبات کی کال کوٹھڑی میں قید کر دیا ہے۔ مذہب کی بنیاد پر نفرت کی سیاست کرنے والے اگر وسیع القلبی اور وسیع النظری سے کام لیں تو مذہب ہی کے حوالے سے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان اجنبیت اور دوری کو بہت حد تک کم کیا جا سکتا ہے۔ ''ویدیں'' ہندوؤں کی تمام مذہبی کتب میں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ اگر کسی دوسری مقدس

کتاب کی کوئی عبارت ان کے ساتھ متصادم ہوتو ویدوں ہی کو سند، حتمی اور مسلمہ مانا جاتا ہے۔

ویدوں میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے:

''خدا جیسا کوئی نہیں ہے۔''...... ''خدا عظیم اور طاقت ور ہے۔''...... ''خدا کا کوئی تصور یا خاکہ یا ثانی نہیں۔''

......''اسی کی عبادت کرو، ایک خدا کی، صرف اسی کی تعریف کرو۔''...... ''خدا صرف اور صرف ایک ہے۔''

وید کے بعد ''اُپشند'' کا درجہ ہے۔ اس میں ہے:

''اللہ کا کوئی شریک نہیں، کوئی اس جیسا نہیں، کوئی ثانی نہیں۔''...... ''کوئی اللہ کو نہیں دیکھ سکتا۔''

اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھگوت گیتا میں ہے:

''وہ مجھے عظیم خدا کی حیثیت سے جانتے ہیں جو ازل سے ہے۔ جس کی ابتدا و انتہا نہیں ہے۔ وہ دنیا کا عظیم آقا ہے۔''

وید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پیشین گوئیاں کچھ یوں درج ہیں:

''اس کی پیدایش وشنو یاس (یعنی اللہ کے عبادت گزار، عبداللہ) کے ہاں ہوگی۔ اس کی والدہ کا نام سماتی (امن۔ آمنہ) ہوگا۔''...... ''وہ اپنی ماں کا دودھ نہیں پیے گا۔''...... ''ایک نو وارد آئے گا اس کی زبان سنسکرت نہیں ہوگی۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آئے گا جو صحابہ کہلائیں گے۔ اس کا نام محمد ہوگا۔''...... ''وہ امن کا شہزادہ اور مہاجر ہے۔''...... ''وہ سفید گھوڑے پر سوار ہوگا، اس کے ہاتھ میں تلوار ہوگی اور وہ بدامنی اور ظلم کا خاتمہ کرے گا۔''...... ''وہ ایک ریتلے راستے سے آئے گا اور برائی کے خاتمے کے لیے عظیم قوت مجتمع کرے گا۔''...... ''وہ انتم رشی یعنی آخری رشی ہوگا۔''......''(اس کے پیروکار) ختنہ شدہ ہوں گے۔ ان کے سر کے بالوں کی چوٹی نہیں ہوگی۔ وہ ڈاڑھی رکھیں گے اور وہ انقلاب برپا کریں گے۔ وہ عبادت کے لیے پکاریں گے (اذانیں دیں گے) وہ تمام حلال جانوروں کا گوشت کھائیں گے مگر سور کا گوشت نہیں کھائیں گے۔''

ان چند اقتباسات کے واضح اشارات میں مخفی تفصیل حکمت و دانائی رکھنے والے باآسانی دیکھ سمجھ سکتے ہیں۔ وقت کی گزران اور زمانے کی بدلتی ہوئی کروٹوں سے مذہب کے ساتھ کیسے کیسے معاملات ہو جاتے ہیں، اہل علم بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس بات کی رعایت قدیم مذاہب کے حاملین کو دینی چاہیے۔ مگر افسوس ہماری قوم میں نفرت، انتقام، تعصّبات کے جذبات اس قدر شدت کے ساتھ پیدا کر دیے گئے ہیں اور انھیں دعوتی سوچ سے اتنا دور کر دیا گیا ہے کہ ان کا دوسری اقوام کو رعایت دینے کا ذہن ہی نہیں بنتا۔ مگر مایوسی کفر ہے۔ قومیں ''طرز کہن'' پر اڑا کرتی ہیں، چنانچہ انھیں ''آئین نو'' کی راہ دکھانے کی تعمیری کوشش جاری رکھنا ہوگی۔

یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک معقول مسلمان ہندو مذہب کے بارے میں ایسی معلومات کے سامنے آنے کے بعد ہندوؤں کے ساتھ قربت محسوس نہ کرے۔ دونوں ممالک کو یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ دوست بدلے جا سکتے ہیں، ہمسائے نہیں...... اور اسلام میں تو ہمسائے کے حقوق ہی بہت زیادہ ہیں..... دونوں ملکوں کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ جارحانہ سوچ کے حاملین کے ہاتھوں یرغمال نہ بنیں۔ جب دلوں میں وسعت اور نرمی پیدا ہوگی تو پیچیدہ اور بڑے مسائل پر مذاکرات بھی کامیاب ہونے لگیں گے۔ ورنہ غصے اور نفرت کی کیفیت میں دل تنگ ہو جاتے اور مذاکرات بھی ڈیڈ لاک کا شکار ہو جایا کرتے ہیں۔ ان اقوال سے اختلاف کا کوئی امکان نہیں ہے کہ تشدد کا انجام تخریب ہے اور امن کا انجام تعمیر۔ بدامنی کا انجام شرمندگی ہے اور امن کا انجام کامیابی۔ تشدد سے نفرت جنم لیتی ہے اور امن سے محبت۔ تشدد سے بنے ہوئے کام بگڑ جاتے ہیں اور امن سے بگڑے ہوئے کام سنور جاتے ہیں۔ اب یہ ہم پر ہے کہ ہمیں تخریب، شرمندگی اور نفرت سے اس خطے کو آلودہ کرنا ہے یا تعمیر، کامیابی اور محبت کی خوشبو سے اپنے آپ کو اور اپنے ہمسائے کو معطر کرنا ہے۔

—— محمد بلال

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نیا پاکستان مبارک!

وزیراعظم: نواز شریف، قائد حزب اختلاف: عمران خان۔

پاکستان کے لیے اس سے بہتر سیاسی مستقبل ممکن نہیں تھا۔ اگر یہ ترتیب الٹ جاتی تو بھی میری رائے یہی ہوتی۔ وزیراعظم: عمران خان، قائد حزب اختلاف: نواز شریف۔ پاکستان کے عوام نے بالعموم جس ذہنی بلوغت کا مظاہرہ کیا ہے، اس سے جمہوریت پر میرے اعتماد میں اضافہ ہوا ہے۔ نواز شریف نے ۱۱ مئی کی شب جو تقریر کی، وہ بلاشبہ ایک نئے پاکستان کی خبر دے رہی ہے۔ شہباز شریف کے چند جملوں نے فضا میں جو تلخی پیدا کر دی تھی میاں صاحب کی بصیرت نے بڑی حد تک اس کا تدارک کر دیا۔ انھوں نے زبان حال سے بتا دیا کہ شہباز شریف صاحب وزارت عظمیٰ کے لیے جتنے غیر موزوں ہو سکتے ہیں، نواز شریف صاحب اتنے ہی موزوں ہیں۔ قومی راہنما ہونے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ آدمی کے دل میں ایک کائنات سما جائے۔ مخالفین کے لیے بھی وہ سراپا شفقت ہو۔ عمران خان کو بھی اس

باب میں ابھی بہت تربیت کی ضرورت ہے۔

نواز شریف اور عمران خان اب ایک نئے عرصۂ امتحان میں ہیں۔ دونوں کے لیے نئے چیلنج ہیں۔نواز شریف نے باہمی تعاون کی بنیاد پر ایک نئے عہد کے خدوخال واضح کرنے کی کوشش کی، تاہم عمران خان اس کے لیے آمادہ نہیں ہوں گے۔ یہ ان کی رائے ہے جن کا دعویٰ ہے کہ عمران خان کو ان سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ میں ان کی بات پر اعتبار کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کر رہا ہوں۔ اس میں بھی پاکستان کے لیے خیر ہے۔ جمہوریت کی کامیابی کے لیے اچھی اپوزیشن اتنی ہی ضروری ہے جتنی اچھی حکومت۔ اس وقت یہ خطرہ موجود ہے کہ پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم مل کر اپوزیشن کا منصب لے سکتے ہیں۔ نئے پاکستان کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ یہ منصب عمران خان کے پاس رہے۔

نئے پاکستان میں نواز شریف صاحب اور عمران خان کو جو چیلنج درپیش ہوں گے، ان پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ پہلے نواز شریف، عوامی تائید کے ساتھ اس وقت ان کے دو مثبت امتیازات ہیں۔ ایک یہ کہ انھیں پاکستان کے کاروباری طبقے کا اعتماد حاصل ہے۔ دوسرا بین الاقوامی برادری کا۔ آج پاکستان کو ایسے ہی راہنما کی ضرورت تھی۔ اس سے پاکستان کی معیشت اور ساکھ پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔ اس زادِ راہ کے ساتھ وہ جس سفر کا آغاز کریں گے، اس میں انھیں چار اہم سوالات کا سامنا ہوگا۔ ان کا جواب دیے بغیر وہ سیاست کے پل صراط سے کامیابی کے ساتھ نہیں گزر پائیں گے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ا۔ پاکستان سکیورٹی سٹیٹ بنا رہے گا یا اسے ایک فلاحی جمہوری ریاست بننا ہے؟ آٹھ ماہ پہلے میں نے ایک بالمشافہ ملاقات میں بھی میاں صاحب کے سامنے یہ سوال رکھا تھا۔ آسان لفظوں میں اس کا مطلب ہے خارجہ پالیسی سمیت قومی ترجیحات کا نئے سرے سے تعین۔ انتخابات کی رات ''دنیا'' ٹی وی پر امتیاز گل صاحب نے ایک اہم بات کہی۔ ان کے بقول میاں صاحب نے اپنے قریبی حلقے سے یہ کہا ہے کہ انتخابات میں کامیابی کی صورت میں اسٹیبلشمنٹ کے ساتھ ایک فیصلہ کن بات کریں گے: مشرقی اور مغربی سرحدوں پر وہ پرانی حکمت عملی برقرار رکھیں گے یا نئی حکمت عملی ترتیب دینے کا موقع دیں گے۔ اگر وہ پرانی حکمت عملی پر اصرار کریں گے تو میاں صاحب حکومت بنانے سے معذرت کر لیں گے اور اپوزیشن میں بیٹھنے کو ترجیح دیں گے۔ اگر یہ بات درست ہے تو اس کا مطلب ہے، وہ پاکستان کے بنیادی مسئلے کا ادراک رکھتے ہیں اور اصلاح چاہتے ہیں۔ گویا اس صورت میں پاکستان کو اس مسلسل غلطی سے نجات مل سکتی ہے جسے سٹریٹجک ڈیپتھ کا عنوان دیا جاتا ہے۔ اگر میاں صاحب یہ کام کر گزرے تو بھارت

اور افغانستان کے ساتھ تعلقات کے ایک نئے دور کا آغاز ہوگا۔ اس سے پاکستان کے بہت سے مسائل کا تدارک ہو سکے گا۔

۲۔ دہشت گردی کے بارے میں وہ کیا حکمت عملی اپناتے ہیں؟ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آج یہ پاکستان کی جنگ ہے۔ قاتل اور مقتول، حملہ آور اور ہدف دونوں پاکستانی ہیں۔ تحریک طالبان پاکستان کے وابستگان پاکستانی ہیں اور بشیر بلور اور منیر اورکزئی جیسے لوگ بھی پاکستانی۔ اس میں امریکا فریق نہیں ہے۔ یہ طے ہے کہ دہشت گردی سے نجات کے بغیر پاکستان ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا۔ نہ سیاسی حوالے سے نہ معاشی اعتبار سے۔ نواز شریف صاحب کے لیے بڑا چیلنج یہ ہے کہ وہ اس کا سامنا کیسے کرتے ہیں۔ کیا وہ طالبان کو پاکستان میں حملوں سے باز رکھ پائیں گے؟

۳۔ کیا وہ امن و امان اور بجلی و گیس کی لوڈ شیڈنگ جیسے مسائل پر ایک سال میں قابو پا سکیں گے؟ اگر عوام کو ان دو مسائل سے نجات نہ مل سکی یا بڑی حد تک ان کا خاتمہ نہ ہوا تو نواز شریف صاحب کی عوامی مقبولیت کا گراف بہت تیزی سے نیچے آئے گا۔ اس وقت عوام کے صبر کا پیمانہ لبریز ہے۔ پیپلز پارٹی کو دراصل اسی کی سزا ملی ہے۔ شہباز شریف صاحب کے دعووں کی بازگشت اب بار بار سنی جاتی رہے گی۔

۴۔ کیا وہ مرکزی حکومت میں دوسرے صوبوں کو نمائندگی دے پائیں گے؟ حکومت کی ساکھ اور وفاق کی یک جہتی کے لیے ضروری ہے کہ تمام صوبوں کے لوگ حکومت کا حصہ ہوں۔ ایم کیو ایم اور پیپلز پارٹی کو شامل کیے بغیر مرکزی حکومت کتنی نمائندہ ہوگی؟ میاں صاحب کو ابتدا میں ہی اس سوال کا جواب تلاش کرنا ہے۔

عمران خان کو بھی چار سوالات کا سامنا ہے:

۱۔ کیا وہ ملک کو ایک موثر اور مثبت اپوزیشن دے پائیں گے؟ انتخابی مہم کے دوران میں عمران خان کا موقف یہ رہا ہے کہ وہ سابقہ پارلیمنٹ میں موجود کسی جماعت سے اتحاد نہیں کریں گے۔ یہ انداز نظر غیر جمہوری ہے۔ اگر وہ خیر میں تعاون اور شر میں عدم تعاون کے اصول کو پیش نظر رکھیں تو اس سے ان کی پذیرائی میں اضافہ ہوگا اور اس طرح وہ اس نظام کی تقویت کا باعث بن سکیں گے۔

۲۔ انھیں یہ بات بھی سامنے رکھنا ہوگی کہ اس نظام میں تبدیل ہونے کی صلاحیت موجود ہے۔ وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ انھیں عوامی فیصلے کی تائید کرنی چاہیے اور کھلے دل کے ساتھ ن لیگ کی کامیابی کا اعتراف کرنا چاہیے۔ نواز شریف نے ان کے حادثے پر جس ردعمل کا اظہار کیا، اس سے ان کو اخلاقی برتری ملی ہے۔ اگر عمران خان بھی ہسپتال میں شہباز شریف صاحب سے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے تو یہ بہتر ہوتا۔ پارلیمنٹ میں موثر اپوزیشن کا

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کردار نبھانے کے لیے انھیں خوے دل نوازی پیدا کرنی ہوگی۔

۳۔ انتخابی کامیابی کو وہ کس حد تک پارٹی کی مضبوطی کے لیے استعمال کر پائیں گے؟ انتخابات میں تحریک انصاف کی کارکردگی بہت متاثر کن رہی ہے۔ وہ بہت آگے جا سکتی ہے۔ اس کے لیے عمران خان کو پارٹی پر بہت توجہ دینا ہو گی۔ میرا یہ خیال اب پختہ ہوتا جا رہا ہے کہ ملک ایک بار پھر دو جماعتی نظام کی طرف بڑھے گا اور ان میں ایک جماعت تحریک انصاف ہوگی، تاہم اس کا تمام تر انحصار اس بات پر ہے کہ آنے والے دنوں میں تحریک انصاف کس طرح اپنے خدوخال کا تعین کرتی ہے۔

۴۔ کیا تحریک انصاف خیبر پختون خوا میں امید کی کرن بن سکتی ہے؟ امکان یہی ہے کہ تحریک انصاف صوبے میں حکومت بنائے گی۔ یہاں کا سب سے بڑا مسئلہ امن وامان ہے۔ اب طالبان کے ساتھ ان کا براہ راست پالا پڑنے والا ہے۔ اس مرحلے پر وہ جو پالیسی اختیار کریں گے، اس سے ان کے مستقبل کا تعین ہوگا۔ اچھی حکومت اور امن میں توازن پیدا کرنا ہی امتحان ہے۔ ڈرون حملوں اور قبائلی علاقوں میں آپریشن جیسے مسائل پر انھیں عملی کردار ادا کرنا ہے۔ ان کے سامنے ایک مجلس عمل کا وجود ہے۔ جن کے نعروں اور عمل میں تفاوت نے ان کے سیاسی مستقبل کو تاریک کر دیا۔ خیبر پختون خوا کی حکومت اعزاز سے کہیں زیادہ ایک چیلنج ہے۔

آج ایک نیا پاکستان ہمارے سامنے ہے۔ کئی نئے حقائق جنم لے چکے۔ ایک بڑی حقیقت یہ ہے کہ پاکستان بھٹو اور اینٹی بھٹو کی نفسیات سے باہر آ گیا ہے۔ نئی عصبیتیں جنم لے رہی ہیں۔ جمہوریت اسی کا نام ہے کہ سماج متحرک رہتا ہے۔ نواز شریف اور عمران خان دونوں کے ساتھ امید وابستہ ہے۔ پاکستان کو آج امید ہی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے کہ یہ جمہوریت کا تحفہ بھی ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ ہم کس طرح اس کی قدر افزائی کرتے ہیں۔

——— خورشید ندیم

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ التوبہ

(۶)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ
الْمَصِیْرُ ﴿۷۳﴾ یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ

اے پیغمبر[۲۳۶]، اِن سب منکروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور اِن کے لیے سخت بن جاؤ[۲۳۷]۔ اِن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ نہایت برا ٹھکانا ہے۔ یہ خدا کی قسمیں کھاتے ہیں کہ اِنھوں نے وہ بات نہیں کہی،

۲۳۶؎ یہاں سے پانچواں شذرہ شروع ہوتا ہے۔ اِس کے مضامین سے واضح ہے کہ یہ تبوک میں یا تبوک سے واپسی کے سفر میں کسی وقت نازل ہوا ہے۔

۲۳۷؎ جہاد کا لفظ قتال اور شدت احتساب، سب کو شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کفار اور منافقین ایک ہی زمرے کے لوگ ہیں۔ تمھاری کریم النفسی سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنی شرارتوں میں اور دلیر ہو گئے ہیں۔ اُن کے ساتھ اپنا رویہ اب یکسر تبدیل کرلو اور جس کے خلاف جس اقدام کا حکم دیا گیا ہے، وہ کرو۔ چنانچہ منکروں کو جہاں پاؤ، قتل کرو، جیسا کہ پیچھے ہدایت کی گئی ہے اور منافقوں کے ساتھ احتساب اور دار و گیر کا جہاد کرو اور رأفت و شفقت کے بجائے سختی کے ساتھ پیش آؤ تاکہ اُن پر واضح ہو جائے کہ اب اُنھیں مسلمانوں کی طرح مسلمان بن کر رہنا ہوگا، ورنہ اُسی انجام سے

اِسۡلَامِهِمۡ وَهَمُّوۡا بِمَا لَمۡ يَنَالُوۡا وَمَا نَقَمُوۡۤا اِلَّاۤ اَنۡ اَغۡنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهٖ فَاِنۡ يَّتُوۡبُوۡا يَكُ خَيۡرًا لَّهُمۡ وَاِنۡ يَّتَوَلَّوۡا يُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيۡمًا فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۷۴﴾

حالاں کہ کفر کی وہ بات اِنھوں نے ضرور کہی ہے[238] اور (اِس طرح) اسلام لانے کے بعد کفر کے مرتکب ہوئے ہیں اور اِنھوں نے وہ چاہا ہے جو پا نہیں سکے ہیں[239]۔ اِن کا یہ عناد اِسی بات کا صلہ ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول نے اپنے فضل سے اِن کو غنی کر دیا ہے[240]۔ سو اگر یہ (اب بھی) توبہ کر لیں تو اِن کے لیے بہتر ہے اور اگر اعراض کریں گے تو اللہ اِن کو دردناک سزا دے گا، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور زمین میں اِن کا نہ کوئی حمایتی ہوگا، نہ مددگار۔۷۳-۷۴

دوچار ہوں گے جو پیغمبر کے منکروں کے لیے مقدر ہو چکا ہے۔

۲۳۸؎ یہ اُسی طرح کی کسی بات کا حوالہ ہے، جس طرح کی باتوں کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے کہ منافقین اپنی مجلسوں میں اللہ، اُس کے رسول اور اُس کی آیتوں کا مذاق اڑاتے ہیں، لیکن جب پوچھا جائے تو صاف مکر جاتے ہیں کہ اُنھوں نے کوئی ایسی بات نہیں کہی، وہ تو محض ہنسی دل لگی کر رہے تھے۔

۲۳۹؎ یہ اُن منصوبوں کی طرف اشارہ ہے جو منافقین نے اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے بنائے مگر اللہ نے اُن کے راز برسر موقع فاش کر دیے اور اُنھیں کامیاب نہیں ہونے دیا۔ چنانچہ ہر موقع پر اُنھوں نے منہ کی کھائی۔ استاذ امام کے الفاظ میں، یہ قرآن نے نہایت بلاغت کے ساتھ دو لفظوں میں اُن کے تمام خبیثانہ منصوبوں اور ساتھ ہی اُن کی محرومیوں اور ناکامیوں کی طرف اشارہ فرما دیا ہے۔

۲۴۰؎ اشارہ ہے اُن غنائم کی طرف جو فتوحات کے نتیجے میں حاصل ہوئے اور جن سے سب سے زیادہ فائدہ اِنھی منافقین نے اٹھایا۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''...اول تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اِن کی دل داری کے خیال سے اِن کو دیتے بھی زیادہ تھے، پھر یہ اپنی طماعی کے سبب سے لیتے بھی سو بہانوں سے تھے۔ مزید براں اِن کے پاس صرف لینے ہی والے ہاتھ تھے، دینے والے ہاتھ تو سرے سے تھے ہی نہیں۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا کوئی موقع آیا تو... صاف کترا جاتے۔ اِس طرح یہ لوگ مال دار بن گئے اور اِس مال داری کا صلہ اسلام کو، جس کے نام پر وہ مال دار بنے، اُنھوں نے یہ دیا کہ اُس کے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۷۵﴾
فَلَمَّاۤ اٰتٰهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَتَوَلَّوۡا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا
فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ يَلۡقَوۡنَهٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوۡهُ وَبِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ ﴿۷۷﴾
اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰهُمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ ﴿۷۸﴾ اَلَّذِيۡنَ
يَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِيۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ فِى الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ اِلَّا جُهۡدَهُمۡ

اِن میں وہ بھی ہیں[۲۴۱] جنھوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر اُس نے ہم کو اپنے فضل سے نوازا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور ضرور نیکیاں کرنے والوں میں سے ہوں گے۔ مگر جب اللہ نے اپنے فضل سے اُن کو عطا فرمایا تو اُس میں بخل کرنے لگے اور برگشتہ ہو کر منہ پھیر لیا[۲۴۲]۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے اُس دن تک کہ اُس سے ملیں گے، اُن کے دلوں میں نفاق بٹھا دیا، اِس لیے کہ اُنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی کی اور اِس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے رہے[۲۴۳]۔ کیا اُن کو خبر نہیں کہ اللہ اُن کے رازوں اور اُن کی سرگوشیوں کو جانتا ہے اور اللہ ہر غیب کا جاننے والا ہے[۲۴۴]۔ وہ[۲۴۵] جو صدقات کے معاملے میں اُن

خلاف سازشیں اور ریشہ دوانیاں کرتے رہے۔'' (تدبر قرآن ۳/۶۱۰)

۲۴۱؎ یعنی اِنھی لوگوں میں جواب اسلام کی بدولت غنی ہو گئے ہیں۔

۲۴۲؎ اصل الفاظ ہیں: 'تَوَلَّوۡا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ'۔ 'تَوَلَّوۡا' کے بعد 'هُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ' کے الفاظ واضح کرتے ہیں کہ انفاق کا نام لیا جائے تو منہ موڑ کر اِس طرح چل دیتے ہیں کہ پیچھے مڑ کر دیکھتے بھی نہیں۔

۲۴۳؎ یہ اُس سنت کے مطابق ہوا جو اللہ تعالیٰ نے ہدایت و ضلالت کے باب میں مقرر کر رکھی ہے۔ آدمی جب ایک مدت تک کسی روگ کی رضاعت و پرورش کرتا رہتا ہے تو بالآخر ہمیشہ کے لیے توبہ اور اصلاح کی توفیق سے محروم ہو جاتا ہے۔

۲۴۴؎ یعنی فعلاً بھی جانتا ہے اور اُس کی صفت بھی ہے کہ وہ علام الغیوب ہے۔

۲۴۵؎ آیت کی ابتدا 'اَلَّذِيۡنَ يَلۡمِزُوۡنَ' کے الفاظ سے ہوئی ہے۔ یہ 'اَلَّذِيۡنَ' پیچھے 'نَجۡوٰهُمۡ' میں 'هُمۡ' کی ضمیر سے بدل ہے۔ ہم نے ترجمہ اِسی کے لحاظ سے کیا ہے۔

فَیَسۡخَرُوۡنَ مِنۡهُمۡ سَخِرَ اللّٰهُ مِنۡهُمۡ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۷۹﴾ اِسۡتَغۡفِرۡلَهُمۡ اَوۡلَا تَسۡتَغۡفِرۡلَهُمۡ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡلَهُمۡ سَبۡعِیۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ یَّغۡفِرَاللّٰهُ لَهُمۡ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَاللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۸۰﴾

مسلمانوں پر طعن کرتے ہیں جو خوش دلی سے دیتے ہیں اور جن کے پاس دینے کے لیے وہی کچھ ہے جو وہ اپنی محنت مزدوری سے کما لاتے ہیں، اُن کا مذاق اڑاتے ہیں[۲۴۶]۔ اللہ اُن (مذاق اڑانے والوں) کا مذاق اڑاتا ہے اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ تم اُن کے لیے مغفرت چاہو یا نہ چاہو۔ اگر تم ستر مرتبہ بھی اُن کے لیے مغفرت چاہو گے تو اللہ ہرگز اُن کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ اِس لیے کہ اُنھوں نے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور اِس طرح کے بدعہدوں کو اللہ راہ نہیں دکھاتا[۲۴۷]۔ ۷۵-۸۰

۲۴۶؎ یعنی خود کچھ کرتے نہیں اور دوسروں کے انفاق پر غصے سے کھولتے اور حسد سے جلتے ہیں۔ چنانچہ اغنیا کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے اور غریبوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ”...جو فیاض اور مخلص مسلمان فیاضی اور خوش دلی سے خدا کی راہ میں دیتے ہیں، اُن کو تو کہتے ہیں کہ یہ ریاکار اور شہرت پسند ہے۔ اپنی دین داری اور سخاوت کی دھونس جمانے کے لیے ایسا کرتا ہے۔ جو غریب بے چارے کچھ رکھتے ہی نہیں۔ اپنی محنت مزدوری کی گاڑھی کمائی ہی سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اُن کی حوصلہ شکنی کے لیے اُن کا یہ مذاق اڑاتے اور اُن پر پھبتیاں چست کرتے ہیں کہ لو آج یہ بھی اٹھے ہیں کہ حاتم کا نام دنیا سے مٹا کر رکھ دیں۔“ (تدبر قرآن ۳/ ۶۱۳)

۲۴۷؎ یعنی وہ راہ نہیں دکھاتا جو اُنھیں جہنم کے راستے سے ہٹا کر اُس غایت کی طرف گامزن کر دے جو سچے اہل ایمان کی منزل ہے۔ اِس تنبیہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس درجہ رحیم و شفیق تھے اور اِس طرح کے منافقوں کے لیے کس قدر الحاح کے ساتھ مغفرت اور نجات کی دعائیں کرتے رہتے تھے۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

معز امجد
ترجمہ: شاہد رضا

فتنوں سے متعلق انذار نبی صلی اللہ علیہ وسلم

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ رَبِّ الْكَعْبَةِ، قَالَ: دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَإِذَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ جَالِسٌ فِيْ ظِلِّ الْكَعْبَةِ وَالنَّاسُ مُجْتَمِعُوْنَ عَلَيْهِ. فَأَتَيْتُهُمْ فَجَلَسْتُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا، فَمِنَّا مَنْ يُّصْلِحُ خِبَاءَهُ وَمِنَّا مَنْ يَّنْتَضِلُ وَمِنَّا مَنْ هُوَ فِيْ جَشَرِهِ. إِذْ نَادَى مُنَادِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الصَّلٰوةُ جَامِعَةً، فَاجْتَمَعْنَا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ: إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ قَبْلِيْ إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ يَّدُلَّ أُمَّتَهُ عَلٰى خَيْرِ مَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ وَيُنْذِرَهُمْ شَرَّمَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ وَإِنَّ أُمَّتَكُمْ هٰذِهِ جُعِلَ عَافِيَتُهَا فِيْ أَوَّلِهَا وَسَيُصِيْبُ آخِرَهَا بَلَاءٌ وَأُمُوْرٌ تُنْكِرُوْنَهَا وَتَجِيْءُ فِتْنَةٌ فَيُرَقِّقُ بَعْضُهَا بَعْضًا وَتَجِيْءُ الْفِتْنَةُ، فَيَقُوْلُ الْمُؤْمِنُ: هٰذِهِ مُهْلِكَتِيْ ثُمَّ تَنْكَشِفُ وَتَجِيْءُ الْفِتْنَةُ فَيَقُوْلُ الْمُؤْمِنُ: هٰذِهِ هٰذِهِ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُّزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ وَيُدْخَلَ الْجَنَّةَ فَلْتَأْتِهِ مَنِيَّتُهُ وَهُوَ يُؤْمِنُ

بِـاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَأْتِ إِلَى النَّاسِ الَّذِيْ يُحِبُّ أَنْ يُّؤْتَى إِلَيْهِ وَمَنْ بَايَعَ إِمَـامًـا فَـأَعْـطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهِ وَثَمَرَةَ قَلْبِهِ فَلْيُطِعْهُ إِنِ اسْتَطَاعَ فَإِنْ جَاءَ آخَرُ يُنَازِعُهُ فَاضْرِبُوْا عُنُقَ الْآخَرِ.

حضرت عبدالرحمٰن بن عبدرب الکعبہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا: میں مسجد میں داخل ہوا تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ ان کے اردگرد جمع تھے۔ چنانچہ میں ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ انھوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ہم نے ایک مقام پر قیام کیا۔ ہم میں سے بعض وہ تھے جو اپنے خیمے درست کر رہے تھے، بعض وہ تھے جو تیر اندازی میں مقابلہ کر رہے تھے اور بعض وہ تھے جو اپنے مواشی چرا رہے تھے[1] کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے ندا دی کہ لوگوں کو نماز کے لیے جمع ہو جانا چاہیے[2]، چنانچہ ہم جلدی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: مجھ سے پہلے جو نبی بھی آیا، اس پر یہ فرض تھا کہ اپنے پیروکاروں کی اس بات کی طرف رہنمائی کرے جس کو وہ ان کے لیے بہتر جانتا ہے، اور اس بات سے ڈرائے جس کو وہ ان کے لیے برا جانتا ہے[3]، اور بے شک، تمھاری اس جماعت کی عافیت اس کے پہلے دور میں ہے اور اس کے بعد والے دور میں عنقریب آزمایشیں آئیں گی[4] اور ایسے امور درپیش ہوں گے جو تمھارے لیے عجیب ہوں گے[5] اور یکے بعد دیگرے آزمایش آئے گی، آنے والی آزمایش گذشتہ آزمایش کو حقیر بنا دے گی[6]۔ جب آزمایش آئے گی تو مومن کہے گا کہ یہ میری ہلاکت لانے والی ہے۔ جب یہ آزمایش ختم ہو جائے گی تو ایک اور آزمایش آئے گی تو مومن کہے گا کہ یہ یقیناً مجھے ختم کرنے والی ہے۔ چنانچہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اسے جہنم سے نجات دی جائے اور جنت میں داخل کیا جائے، اس کو اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر ایمان کی حالت میں فوت ہونا چاہیے[7] اور اس کو لوگوں کے ساتھ اسی طرح کا سلوک کرنا چاہیے، جس طرح کا

وہ چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ سلوک کیا جائے[8]۔ جو شخص کسی حکمران کی بیعت کرے[9] ــــــ اپنے ہاتھ (اس کے ہاتھ پر) رکھتے ہوئے[10]، اور خلوص دل سے اس کی بیعت کرتے ہوئے اسے چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے، اس کی اطاعت کرے۔ پھر کوئی دوسرا شخص آئے اور اس سے حکومت چھیننے کی کوشش کرے، تو اس کی گردن مار دو[11]۔

ترجمے کے حواشی

۱۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مختلف امور میں مشغول ہو گئے۔

۲۔ نماز کے لیے منادی اس وقت بھی کرائی جاتی تھی، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود کسی معاملے میں مشاورت یا کسی عام اعلان کے لیے نمازوں کے مقام پر لوگوں کو جمع کرنا ہوتا تھا۔

۳۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا پیغمبر اپنے پیروکاروں کو نہ صرف یہ بتاتا ہے کہ ان کو کس شے کے حصول کی خواہش کرنی چاہیے، بلکہ ان کو ایسے خطرات سے آگاہ بھی کرتا ہے جن سے ان کو اپنی بھلائی کے لیے احتراز کرنا چاہیے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک تنبیہ اور انذار ہے۔

۴۔ روایت کے مضمون سے اس بات کی طرف، بالخصوص، اشارہ ہے کہ امن وسکون، ہم آہنگی اور اتحاد کے دور کے بعد امور سیاست میں آزمایشیں اور مصائب در آئیں گی۔

۵۔ خاص طور پر، یہ امرا کے طرز عمل کی طرف اشارہ ہے کہ لوگ ان کے ناقابل قبول اور مکروہ طرز عمل کا مشاہدہ کریں گے۔

۶۔ آنے والی آزمایش اس قدر بڑی ہوگی کہ گذشتہ آزمایش کو یہ چھوٹی اور معمولی بنا دے گی۔

۷۔ اس بحران اور مصائب والے دور میں لوگوں کو محفوظ اور اللہ تعالیٰ اور یوم آخر کی آمد کے بارے میں اپنے عقیدہ پر ثابت قدم رہنا چاہیے۔ یہ عقیدہ ان کو کسی قسم کی ناانصافی اور ظلم میں عادل اور غیر جانب دار رہنے میں استحکام کا باعث بنے گا، خواہ وہ ناانصافی اور ظلم امرا کی طرف سے ہو یا ایسے گروہ کی طرف سے جو امرا کا تختۂ حکومت الٹ دینے کی کوشش کر رہا ہو۔

۸۔ اجتماعی اور اخلاقی رویہ کی بنیاد، لوگوں کے ساتھ اس طرح سلوک کرنا ہے، جس طرح ایک شخص چاہتا ہے کہ

دوسرے لوگ اس کے ساتھ کریں، نہ کہ دوسروں کے ساتھ اس طرح سلوک کرنا، جس طرح کہ دوسرے لوگ، اصل میں، اس کے ساتھ کرتے ہیں۔

۹۔ یہ ایک قانون کا قیام ہے۔ روایتی طور پر، قائدین، شیوخ اور مختلف قبائل کے نمائندگان اپنا دایاں ہاتھ حکمران کے ہاتھ میں رکھ کر اور اس کے لیے اپنی اطاعت گزاری کا اعلان کر کے یہ بیعت کر سکتے ہیں۔ قائدین اور شیوخ کی یہ بیعت ان کے متعلقہ قبائل کے تمام افراد کی طرف سے ہو گی اور قبائل کے تمام افراد اس بیعت کے پابند ہوں گے۔

۱۰۔ جس طریقے کے مطابق عموماً بیعت لی جاتی تھی، یہ اسی کی طرف اشارہ ہے، وہ طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص حکمران کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیتا تھا۔

۱۱۔ قرآن مجید کے مطابق*، مجرم کو موت کی سزا صرف دو صورتوں میں دی جا سکتی ہے:

ا۔ وہ کسی کو قتل کرنے کا مرتکب پایا گیا ہو۔

ب۔ وہ فساد فی الارض پھیلانے کا مرتکب پایا گیا ہو۔

ریاست کے خلاف فتنہ انگیزی اور غیر آئینی ذرائع سے حکومت پر تسلط جمانے کے لیے اس کی نمائندہ حکومت کو غیر مستحکم کرنے کی کوشش بھی فساد فی الارض کا بیج بونے کی ایک واضح دلیل ہے۔ چنانچہ اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ جو شخص بھی اس جرم کا ارتکاب کرے، وہ سزاے موت کا مستحق ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

خلاصہ

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے پیروکاروں کی نہ صرف اس بات کی طرف رہنمائی کرے اور رغبت دلائے جو ان کے لیے بہتر ہے، بلکہ تمام خطرات سے آگاہ بھی کرے اور اس سے انذار کرے۔ ان خطرات میں سے ایک یہ ہے کہ امن و سکون، ہم آہنگی اور اتحاد کے دور کے بعد مسلمانوں کو امور سیاست میں بہت سی مصائب و ابتلاءات درپیش ہوں گی ـــــ ان میں سے ہر ایک پہلی سے عظیم اور سخت ہو گی ـــــ جب لوگ حکومت کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے لڑیں گے۔ جب یہ دور آئے گا، تو ہر وہ شخص جو روز قیامت میں فلاح و کامیابی کا خواہاں ہے، اس کو

* المائدہ ۵: ۳۲ 'اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا' (جس نے کسی کو قتل کیا، اس کے بغیر کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد برپا کیا ہو، تو اس نے گویا سب انسانوں کو قتل کیا)۔

چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر اپنے عقیدے پر ثابت قدم رہے اور دیگر انسانوں کے ساتھ بہ احسن طریق پیش آئے۔ اجتماعی طور پر، ہر فرد کو اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ مسلم امرا کا اطاعت گزار رہنا چاہیے۔ مزید براں، جب مسلم ریاست کسی ایک حکمران کے ماتحت متحد ہو اور کوئی دوسرا شخص غیر آئینی ذرائع سے اس سے حکومت چھیننے کے لیے اس کا تختہ الٹ دینے اور اپنا تسلط جمانے کی کوشش کرے، جس کے نتیجے میں اس ریاست کے مسلمان باشندے مختلف فریقوں میں تقسیم ہو جائیں، تو اس طرح کا شخص فتنہ اور فساد فی الارض پھیلانے کا مجرم ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق، یہ شخص سزاے موت کا مستحق ہے۔ یہ روایت قرآن مجید کے حکم کے عین مطابق ہے، جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ جو لوگ فساد فی الارض پھیلانے کے جرم کا ارتکاب کریں، ان کو عبرت ناک طریقے سے موت کی سزا دی جائے (المائدہ ۵: ۳۳)۔

متون

یہ روایت بعض اختلافات کے ساتھ مسلم، رقم ۱۸۴۴، ۱۸۴۴ب، ۱۸۴۴ج؛ نسائی، رقم ۴۱۹۱؛ ابن ماجہ، رقم ۳۹۵۶؛ احمد، رقم ۶۵۰۳، ۶۷۹۳؛ بیہقی، رقم ۱۶۴۶۹-۱۶۴۷۰؛ ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۱۰۹ اور سنن النسائی الکبریٰ، رقم ۷۸۱۴، ۸۷۲۹ میں روایت کی گئی ہے۔

بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۶۵۰۳ میں 'فاجتمعنا إلی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم. فقال...' (چنانچہ ہم جلدی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا...) کے الفاظ کے بجاے 'فاجتمعنا. فقام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فخطبنا، فقال...' (چنانچہ ہم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد) جمع ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور (لوگوں سے) خطاب فرمایا، کہتے ہوئے...) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۶۵۰۳ میں 'إلا کان حقًا علیہ أن یدل أمتہ' (مگر اس پر یہ فرض تھا کہ اپنے پیروکاروں کی رہنمائی کرے) کے الفاظ کے بجاے 'إلا دل أمتہ' (مگر اس نے اپنے پیروکاروں کی رہنمائی کی) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۱۰۹ میں یہ الفاظ 'إلا کان حق اللّٰہ علیہ أن یدل أمتہ' (مگر اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض تھا کہ اپنے پیروکاروں کی رہنمائی کرے) روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً مسلم، رقم ۴۸۴۴ا میں 'علی ما یعلمه خیرًا لهم' (اس پر جس کو وہ ان کے لیے بہتر جانتا ہے) کے الفاظ کے بجاے 'علی خیر ما یعلمه لهم' (تمام بھلائی پر جس کو وہ ان کے لیے جانتا ہے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۱۰۹ میں یہ الفاظ 'علی ما هو خیر لهم' (اس پر جو ان کے لیے بہتر ہے) روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۶۵۰۳ میں 'ینذرهم' (ان کو ڈرائے) کے الفاظ کے بجاے 'یحذرهم' (ان کو تنبیہ کرے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً مسلم، رقم ۴۸۴۴ا میں 'ما یعلمه شرًا لهم' (جس کو وہ ان کے لیے برا جانتا ہے) کے الفاظ کے بجاے 'شر ما یعلمه لهم' (تمام برا جس کو وہ ان کے لیے جانتا ہے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً بیہقی، رقم ۱۶۴۶۹ میں 'وإن أمتکم هذه جعلت عافیتها فی أولها' (اور بے شک، تمھاری اس جماعت کی عافیت اس کے پہلے دور میں ہے) کے الفاظ کے بجاے 'ألا، وإن عافیة هذه الأمة فی أولها' (سن لو، بے شک، تمھاری اس جماعت کی عافیت اس کے پہلے دور میں ہے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً مسلم، رقم ۴۸۴۴ا میں 'جعلت عافیتها' (اس کی عافیت رکھی گئی ہے) کے الفاظ کے بجاے اس کے مترادف الفاظ 'جعل عافیتها' (اس کی عافیت رکھی گئی ہے) روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۶۵۰۳ میں 'وسیصیب آخرها بلاء وأمور تنکرونها' (اور اس کے بعد والے دور میں عنقریب آزمایشیں آئیں گی اور ایسے امور درپیش ہوں گے جو تمھارے لیے عجیب ہوں گے) کے الفاظ کے بجاے 'وإن آخرها سیصیبهم بلاء شدید وأمور تنکرونها' (اور بے شک، اس کے بعد والے دور میں عنقریب ان پر سخت آزمایشیں آئیں گی اور ایسے امور درپیش ہوں گے جو تمھارے لیے عجیب ہوں گے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۱۰۹ میں یہ الفاظ 'وإن آخرها سیصیبهم بلاء وأمور تنکرونها' (اور بے شک، اس کے بعد والے دور میں عنقریب ان پر آزمایشیں آئیں گی اور ایسے امور درپیش ہوں گے جو تمھارے لیے عجیب ہوں) روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً نسائی، رقم ۴۱۹۱ میں یہ الفاظ 'سیصیبهم بلاء وأمور ینکرونها' (عنقریب آزمایشیں آئیں گی اور ایسے امور درپیش

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ہوں گے جوان کے لیے عجیب ہوں گے) روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً ابن ماجہ، رقم ۳۹۵۶ میں 'إن آخرھم یصیبھم بلاء وأمور تنکرونھا' (بے شک، ان کے بعد والے دور میں ان پر آزمایشیں آئیں گی اور ایسے امور درپیش ہوں گے جو تمھارے لیے عجیب ہوں گے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً بیہقی، رقم ۱۶۴۶۹ میں یہ الفاظ 'سیصیب آخرھا بلاء وفتن یدفق بعضھا بعضًا' (اس کے بعد والے دور میں عنقریب آزمایشیں اور مصائب آئیں گی، ہر ایک دوسری کو پیچھے چھوڑتے ہوئے) روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً مسلم، رقم ۴۷۷۶ میں 'تجیء فتن یرقق بعضھا لبعض' (آزمایشیں آئیں گی، آنے والی آزمایش گذشتہ آزمایش کو حقیر بنا دے گی) کے الفاظ کے بجائے 'تجیء فتنة فیرقق بعضھا بعضًا' (آزمایش آئے گی اور آنے والی آزمایش گذشتہ آزمایش کو حقیر بنا دے گی) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً نسائی، رقم ۴۱۹۱ میں یہ الفاظ 'تجیء فتن فیدقق بعضھا لبعض' (آزمایشیں آئیں گی، آنے والی آزمایش گذشتہ آزمایش کو حقیر بنا دے گی) روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً ابن ماجہ، رقم ۳۹۵۶ میں یہ الفاظ 'تجیء فتن یرقق بعضھا بعضًا' (آزمایشیں آئیں گی، آنے والی آزمایش گذشتہ آزمایش کو حقیر بنا دے گی) روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً ابن ماجہ، رقم ۳۹۵۶ میں 'وتجیء الفتنة' (اور آزمایش آئے گی) کے الفاظ 'وتجیء الفتنة، فیقول المؤمن: ھذہ مھلکتی' (اور آزمایش آئے گی، تو مومن کہے گا: یہ مجھے ہلاک کرنے والی ہے) کے جملے سے محذوف ہیں؛ بعض روایات، مثلاً بیہقی، رقم ۱۶۴۶۹ میں یہ الفاظ 'تجیء الفتن' (آزمایشیں آئیں گی) روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً بیہقی، رقم ۱۶۴۶۹ میں 'وتجیء الفتنة' (اور آزمایش آئے گی) کے جملے سے دوسرا واقعہ 'وتجیء' (اور وہ (دوبارہ) آئے گی) کے لفظ سے روایت ہوا ہے۔

بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۶۵۰۳ میں 'فیقول المؤمن: ھذہ ھذہ' (مومن کہے گا کہ یہ یقیناً مجھے ختم کرنے والی ہے) کے الفاظ کے بجائے 'فیقول المؤمن: ھذہ' (مومن کہے گا: یہ (خاتمہ ہے)) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً نسائی، رقم ۴۱۹۱ میں یہ الفاظ 'فیقول: ھذہ مھلکتی' (مومن کہے گا: یہ مجھے ہلاک کرنے والی ہے) روایت کیے گئے ہیں۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

'ھذہ، ھذہ' (یہ یقیناً مجھے ختم کرنے والی ہے) کے الفاظ کے بعد 'ثم تنکشف' (پھر یہ ختم ہو جائے گی) کے الفاظ احمد، رقم ۶۵۰۳ میں روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۶۷۹۳ میں پہلے دو واقعات کے بعد، جیسا کہ اوپر متن میں مذکور ہے، 'ثم تجیء فیقول: ھذہ ھذہ، ثم تنکشف' (پھر وہ (دوبارہ) آئے گی اور وہ کہے گا: یقیناً یہ ہلاک کرنے والی ہے، پھر یہ بھی ختم ہو جائے گی) کا جملہ تیسری مرتبہ تکرار کے ساتھ آیا ہے۔

بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۶۵۰۳ میں 'فمن أحب أن یزحزح عن النار' (چنانچہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اسے جہنم سے نجات دی جائے) کے الفاظ کے بجائے 'فمن سرہ منکم أن یزحزح عن النار' (چنانچہ تم میں سے جو شخص خوش ہو کہ اسے جہنم سے نجات دی جائے) روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً نسائی، رقم ۴۱۹۱ میں یہ الفاظ 'فمن أحب منکم أن یزحزح عن النار' (چنانچہ تم میں سے جو شخص چاہے کہ اسے جہنم سے نجات دی جائے) روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۶۵۰۳ میں 'ویدخل الجنة' (اور جنت میں داخل کیا جائے) کے الفاظ کے بجائے 'وأن یدخل الجنة' (اور یہ کہ اسے جنت میں داخل کیا جائے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۶۵۰۳ میں 'فلتأتہ منیتہ' (تو اس کو موت (اس حالت میں) آنی چاہیے) کے الفاظ کے بجائے ان کے مترادف الفاظ 'فلتدرکہ موتتہ' (تو اس کو اس کی موت (اس حالت میں) پائے) روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً سنن النسائی الکبریٰ، رقم ۸۷۲۹ میں ان الفاظ کے مترادف الفاظ 'فلیدرکہ موتہ' (تو اس کو اس کی موت (اس حالت میں) پائے) روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً نسائی، رقم ۴۱۹۱ میں 'وھو یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر' (جبکہ وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو) کے الفاظ کے بجائے 'وھو مؤمن باللّٰہ والیوم الآخر' (جبکہ وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر ایمان رکھنے والا ہو) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۱۰۹ میں 'ولیأت إلی الناس الذی یحب أن یؤتی إلیہ' (اور اس کو لوگوں کے ساتھ اسی طرح کا سلوک کرنا چاہیے، جس طرح کا وہ چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ سلوک کیا جائے) کے الفاظ کے بجائے 'ولیأت إلی الناس الذی یحب أن یأتوا إلیہ' (اور اس کو لوگوں کے ساتھ اسی طرح کا

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

سلوک کرنا چاہیے، جس طرح کا وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ سلوک کریں) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً ابن ماجہ، رقم ۳۹۵۶ میں 'فأعطاه صفقة يده' (اپنے ہاتھ (اس کے ہاتھ پر) رکھتے ہوئے) کے الفاظ کے بجائے 'فأعطاه صفقة يمينه' (اپنا دایاں ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً مسلم، رقم ۴۴ ۱۸ میں 'ما استطاع' (جہاں تک وہ کر سکے) کے الفاظ کے بجائے 'إن استطاع' (اگر وہ کر سکے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً نسائی، رقم ۴۱۹۱ میں 'فاضربوا عنق الآخر' (تو اس دوسرے کی گردن ماردو) کے الفاظ کے بجائے اس کے مترادف الفاظ 'فاضربوا رقبة الآخر' (تو اس دوسرے کی گردن ماردو) روایت کیے گئے ہیں۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد عمار خان ناصر*

احکام شریعت بطور نعمت الٰہی

[ایک دینی مجلس میں کی جانے والی گفتگو]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی خاتم المرسلین محمد و آلہ واصحبہ اجمعین. اما بعد!

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر اپنی شریعت کے احکام بیان کرتے ہوئے اس بات کا ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جو ہدایات احکام کی صورت میں، شرائع کی صورت میں مسلمانوں کو دی جا رہی ہیں، یہ درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں اور جیسے جیسے شرائع اور احکام کا یہ سلسلہ نازل ہوتا جا رہا ہے اور مسلمانوں کی شریعت پایۂ تکمیل کو پہنچ رہی ہے، ویسے ویسے خدا کی نعمت بھی ان پر مکمل ہوتی جا رہی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ سارے احکام یک بارگی نازل نہیں ہوئے، بلکہ مدینہ منورہ آنے کے بعد جیسے جیسے مسلمانوں کا معاشرہ ایک خاص شکل اختیار کرتا چلا گیا، اسی کے لحاظ سے وقفے وقفے سے اللہ تعالیٰ اپنے احکام بھی ان کو عنایت فرماتے گئے۔ اپنے ان احکام اور قوانین کو اللہ نے اپنی نعمت سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں قبلے کے احکام کے بیان میں فرمایا ہے کہ 'وَلِاُتِمَّ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡکُمۡ وَلَعَلَّکُمۡ تَھۡتَدُوۡنَ' (۲:۱۵۰)۔ سورۂ مائدہ میں جہاں وضو اور تیمّم کے احکام بیان فرمائے ہیں، وہاں بھی یہ تعبیر اختیار فرمائی ہے: 'وَلِیُتِمَّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ' (۵:۶) اور وہ آیت جس کے بارے میں بعض روایات میں بیان ہوا ہے کہ وہ نزول کے لحاظ سے قرآن مجید کی آخری آیت ہے،

* مدیر ماہنامہ ''الشریعہ'' گوجرانوالہ۔

اس میں بھی یہی بات بیان ہوئی ہے: 'اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا' (المائدہ ۵:۳)۔

بنی اسرائیل کے ذکر میں جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے احسانات جتلائے ہیں، وہاں 'اُذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ' (البقرہ ۲:۴۰) فرمایا ہے۔ مجھے خیال ہوتا ہے کہ یہاں دوسری بہت سی نعمتیں بھی اس میں یقیناً شامل ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا اشارہ خاص طور پر اس بات کی طرف دکھائی دیتا ہے کہ دنیا کی دوسری قوموں کو چھوڑ کر میں نے تمھیں اس کے لیے منتخب کیا کہ تمھیں اپنے احکام اور اپنی پسند و ناپسند کی تفصیل بیان کرنے والی شریعت عطا فرمائی جو تمھاری پوری زندگی کو، زندگی کے ہر ہر شعبے کو ان اعلیٰ اخلاقیات پر اور ان اعلیٰ اصولوں پر استوار کر دیتی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نظر میں عدل کے لحاظ سے، انصاف کے لحاظ سے، روحانیت کے لحاظ سے زندگی کے پسندیدہ اصول اور ضابطے ہیں۔

شریعت کے نعمت الٰہی ہونے کا سب سے بنیادی اور اہم پہلو تو یہ ہے کہ یہ انسانی زندگی کے معاملات کو اللہ کی منشا اور اس کی مرضی کے مطابق منظّم کرتی ہے۔ اللہ کی نظر میں انسانیت کا شرف کیا ہے؟ انسانیت کا اصل معیار کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو جو اخلاقی شعور دیا ہے اور اس کی فطرت میں اس کے بنیادی تصورات کو پیوست کر دیا ہے، انسان ان کے مطابق عمل کرے۔ 'فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰهَا' (الشّمس ۹۱:۸)۔ نیکی اور بدی کا، اچھائی اور برائی کا بنیادی شعور انسان کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے، البتہ اس اخلاقی احساس کا عملی ظہور کس شکل میں ہونا چاہیے؟ اس کا فیصلہ کرنے کی صلاحیت انسان میں کامل نہیں ہے۔ شریعت اصل میں بنیادی اخلاقی شعور کے عملی تقاضوں کو معین کرنے میں اللہ کی طرف سے انسان کی مدد اور اس کی راہ نمائی ہے۔ ہر انسان یہ مانتا ہے، اپنے دل میں اس کا احساس رکھتا ہے کہ ظلم نہیں ہونا چاہیے، کسی کی حق تلفی نہیں ہونی چاہیے، لیکن کون سا کام ہے جو حق تلفی پر مبنی ہے اور کون سا نہیں ہے؟ اس میں بعض دفعہ انسان صحیح فیصلہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔ انسان پر خواہشات کا بھی غلبہ ہے، اس پر تعصّبات کا بھی غلبہ ہے اور یہ چیزیں مل کر انسان کی عقل کو متاثر کر لیتی ہیں۔ بڑے بڑے فلسفیوں کو اس کا قائل کر لیتی ہیں کہ فلاں چیز ظلم نہیں ہے، حالانکہ حقیقت میں، اللہ کی نظر میں وہ ظلم ہوتی ہے۔ تو اخلاقیات کا بنیادی شعور انسان کو حاصل ہے، لیکن ان اخلاقی تصورات کو عملاً کیسے روبہ عمل کرنا ہے؟ اس کے تقاضے جب عمل کی صورت میں ڈھلیں گے تو کیا شکل اختیار کریں گے؟ اس کو معین کرنے میں انسان کی عقل بہت سے مقامات پر اس کی راہ نمائی نہیں کرتی اور وہ افراط وتفریط کا شکار ہو جاتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

خدا اپنی شریعت اسی لیے نازل کرتا ہے کہ زندگی کے جو بنیادی اور بڑے بڑے معاملات ہیں، کم سے کم ان میں انسان ٹھوکر نہ کھائے اور کسی اخلاقی اصول کا یا کسی اخلاقی تصور کا انسان کے عمل میں اور اس کے معاملات میں جو بالکل صحیح نتیجہ نکلنا چاہیے، وہ اس کے سامنے رکھ دیا جائے۔ باقی جو ضمنی چیزیں اور فروعی تفصیلات ہیں، وہ چھوڑ دی جاتی ہیں۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ شریعت کے تمام احکام اس پہلو سے انسان کی غیر معمولی مدد کرتے ہیں کہ وہ اخلاقی اصولوں کو عملی ضابطوں کی شکل جب دے تو صحیح نتیجے پر پہنچے اور ان پر عمل کر کے وہ اپنی زندگی کے ظاہری معاملات کو بھی پاکیزہ بنائے اور جو اس کی اخلاقی اور روحانی شخصیت ہے، اس کا بھی تزکیہ کرے اور اس طرح اللہ کا قرب حاصل کر لے۔ ساری شریعت اصل میں عمل صالح کی تفصیل ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی خاص نعمت اور ایک خاص عنایت انسانیت پر کی گئی ہے۔

عمل صالح میں یہ جو روزمرہ زندگی کے معاملات ہیں، ان کا دائرہ بہت بڑا ہے۔ شریعت کے جو قوانین ہیں، ان کا دائرہ زندگی کے کم و بیش تمام معاملات تک پھیلا ہوا ہے۔ ان میں سے خاص طور پر مرنے والے کے مال کی تقسیم سے متعلق جو احکام ہیں، آج کی نشست میں ہم ان پر اس پہلو سے غور کرنے کی کوشش کریں گے کہ اللہ نے یہ جو ہدایات ہمیں دی ہیں، ان میں نعمت کے کون کون سے نمایاں پہلو موجود ہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ قرآن مجید جب نازل ہوا تو عرب معاشرے میں وراثت کی تقسیم کے معاملے میں جو عام قاعدہ چل رہا تھا اور جس کو عملاً مان بھی لیا گیا تھا، وہ یہ تھا کہ آدمی کے مرنے کے بعد اس کا مال اس کے اعزہ و اقربا میں عام طور پر تقسیم نہیں ہوتا تھا، بلکہ اس کے پس ماندگان میں اور اس کے خاندان میں جو آدمی بھی زیادہ بااثر ہوتا تھا، مختلف وجوہ سے جس کی بات زیادہ چلتی تھی، وہ مال سمیٹ کر بیٹھ جاتا تھا۔ جب طاقت ور لوگ اور بااثر لوگ ایک چیز کو سوسائٹی میں رواج دے دیتے ہیں تو وہ چاہے ناانصافی پر مبنی ہو، ظلم پر مبنی ہو، عملاً اس کو مان ہی لیا جاتا ہے اور ایک خاص طرح کا تحفظ اور جواز اس کو مل ہی جاتا ہے۔ تو جاہلی معاشرے کا جو عام منظر تھا، وہ یہی تھا۔ اسی لیے آپ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمانۂ جاہلیت کے معاشرے اور مشرکین کی جو چوٹی کی قیادت ہے، اس کے جو اخلاقی جرائم قرآن میں بیان کیے ہیں اور خاص طور پر سورۂ فجر سے آگے جو تیسویں پارے کا نصف آخر ہے، اس میں یہ چیز نمایاں ہے۔ وراثت کے مال کو سمیٹ کر ہڑپ کر جانا اور مرنے والے کے چاہے یتیم بچے ہیں یا بچیاں ہوں جو اس مال کے زیادہ ضرورت مند ہیں اور اس مال پر زیادہ حق رکھتے ہیں، ان کو محروم کر دینا اور بجائے اس کے کہ یتیموں کے سر پر دست شفقت رکھا جائے، الٹا ان کے مال کو سمیٹ کر ہضم کر جانا یہ عرب معاشرے کا عام منظر تھا اور اس میں ان

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کی اعلیٰ ترین قیادت بھی شامل تھی جو صرف سیاسی قیادت نہیں تھی، بلکہ مذہب کے بھی وہ ٹھیکے دار تھے۔ قریش کوئی سیکولر مذہبی گروہ نہیں تھا۔ وہ خدا کے گھر کے پروہت تھے اور ان کے بڑے بڑے سردار خانہ کعبہ کے متولیوں میں شمار ہوتے تھے۔ قرآن نے ان کی سیرت کا اور ان کے کردار کا یہ پہلو خاص طور پر نمایاں کیا ہے۔

گویا منظر یہ تھا کہ جو خاندان میں صاحب اثر ہے، صاحب رسوخ ہے، سارا مال وہ سمیٹ کر بیٹھ جاتا تھا اور مال کی تقسیم حق داروں میں نہیں ہوتی تھی، اعزہ واقربا میں نہیں ہوتی تھی۔ بالخصوص خواتین کے بارے میں تو عرب معاشرے میں جو تصورات رائج تھے، وہ آپ جانتے ہیں۔ قرآن مجید نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ نہ صرف عرب معاشرہ بلکہ دنیا میں جتنے بھی ایسے معاشرے ہوئے ہیں جن کو خدا کی شریعت کی روشنی نہیں ملی اور جن کو خدا کی طرف سے احکام وہدایات کی نعمت نہیں ملی، ان سب کا یہی معاملہ رہا ہے۔ آپ دنیا بھر کی تاریخ کا مطالعہ کر لیں۔ قدیم ترین تہذیبیں جو اپنے وقت کی بڑی متمدن اور ترقی یافتہ تہذیبیں سمجھی جاتی ہیں، ان میں بھی یہ بات بطور ایک قانون اور بطور ایک مسلمہ کے مانی جاتی تھی کہ یہ جو معاشرتی حقوق ہیں، معاشرے میں رہتے ہوئے کسی فرد کو مال پر اختیار کے لحاظ سے، مال پر تصرف کے لحاظ سے اور ملکیت کے لحاظ سے جو حقوق حاصل ہونے چاہییں، عورتیں اس کی اہلیت نہیں رکھتیں۔ ان کے بارے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک کمزور، ضعیف، محتاج اور کم تر مخلوق ہے جس کی زندگی سرتاسر مردوں کی احتیاج پر مبنی ہے۔ یہ ان کی دست نگر ہے اور خود بے چاری کچھ بھی نہیں کر سکتی۔

انسان میں جو طاقت کا ایک شعور ہے، ظاہر ہے کہ وہ ایک خاص نفسیاتی احساس پیدا کرتا ہے۔ جب آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجا گیا، اس وقت سے لے کر آج تک انسانی زندگی میں، انسانی معاشرے کے قیام میں، معاشرے کی تشکیل میں اور معاشرے کو ترقی اور ارتقا کے ایک خاص نہج پر ڈھالنے میں اللہ نے جو مرد کو ایک جسمانی طاقت دی ہے، اس کا غیر معمولی کردار ہے۔ اگر خطروں سے نبرد آزما ہونے کی یہ طاقت جو اللہ نے مرد کو دی ہے اور یہ حوصلہ اور جرات نہ ہوتی تو معلوم نہیں یہ مخلوق اس زمین پر آباد بھی رہ سکتی یا نہیں۔ انسانی تمدن کے محققین بتاتے ہیں کہ ابتدا میں تو ساری زمین جنگلات سے بھری ہوئی تھی۔ یہاں شیر، چیتے اور درندے گھومتے پھرتے تھے۔ اس ماحول میں انسان نے اپنی اور اپنی نسل کی بقا اور تحفظ کے لیے جو جدوجہد کی، اس میں ظاہر ہے کہ مرد کی جسمانی طاقت کا بنیادی کردار ہے۔ قرآن مجید نے بھی یہ بات بیان کی ہے کہ مرد کو اللہ نے بعض پہلوؤں سے عورت پر فضیلت دی ہے جس میں نمایاں چیز یہ ہے کہ مرد کو جسمانی طاقت دی ہے، حوصلہ دیا ہے اور وہ تمام بنیادی ذمہ داریاں جن سے انسانی معاشرہ بنتا ہے، کم وبیش ان سب کا انحصار مرد کی طاقت اور جسمانی قوت پر ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اب عورت کی یہ جو خلقی کمزوری ہے، وہ ہر شخص کو دکھائی دیتی ہے۔ اس خلقی کمزوری کی بنا پر آپ دنیا کی تاریخ کا، دنیا کی تہذیبوں میں عورت کے مقام کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بڑے بڑے فلسفی، افلاطون اور ارسطو جیسے فلسفی باقاعدہ اس کو ایک فلسفے کے طور پر بیان کرتے ہیں کہ عورت، مرد سے کم تر مخلوق ہے۔ وہ اس کو مرد کے ساتھ انسان ہونے میں تو شریک مانتے ہیں، لیکن کہتے ہیں کہ اپنی صلاحیتوں کے لحاظ سے اور اپنے مقام کے لحاظ سے اس کا مرد کے ساتھ کیا تقابل ہے اور اس کا یہ حق کیونکر بنتا ہے کہ وہ مرد کے ساتھ سماجی اور معاشرتی اور معاشی حقوق میں شریک ہونے کی بات کرے۔ یہ بات فلسفیانہ اور نظریاتی سطح پر دنیا میں کم و بیش ہر جگہ مانی جاتی تھی۔ قرآن جس عرب معاشرے میں نازل ہوا، اس میں بھی عورت کے لیے مال کا وارث بننے کا امکان تو دور کی بات ہے، وہ خود بطور وراثت کے آگے مرنے والے کے وارث کو منتقل ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ایک آدمی نے اگر شادی کی ہوئی ہے اور وہ مر گیا ہے تو اس کے بعد اس کا بیٹا جو اس کی کسی دوسری بیوی سے پیدا ہوا ہے، وہ اپنے باپ کی منکوحہ کو باپ کی وراثت کے طور پر اپنے نکاح میں لے لیتا تھا۔ اس ماحول میں اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت نازل کی۔ مکی دور میں تو ظاہر ہے کہ اخلاقی تذکیر پر توجہ مرکوز رکھی گئی، قریش کو تنبیہ کی گئی اور ان کو توجہ دلائی گئی۔ عورتوں کے بارے میں جو ان کے تصورات تھے، ان کی اصلاح کی گئی اور پھر جب مسلمان مدینہ میں منظم ہونے لگے تو ان کا اپنا ایک خاندانی نظم وجود میں آنا شروع ہوا۔ ابتدا میں مہاجرین و انصار کی مواخات بھی ہوئی۔ بہت سے افراد کا آپس میں موالات کا تعلق بھی تھا۔ عرب معاشرے میں اس کے علاوہ بھی بعض تعلق ایسے تھے جن کی بنیاد پر وراثت ایک دوسرے کو دی جا سکتی تھی۔ یہ ایک عرصہ تک قائم رہے، پھر قرآن نے رفتہ رفتہ ان قوانین میں ترمیم کرتے ہوئے اور بتدریج ان کی اصلاح کرتے ہوئے سورۂ نساء میں وراثت سے متعلق اپنے قوانین کو وہ آخری شکل دی جو آج ہم قرآن مجید کی آیات میں اور احادیث اور فقہ کی کتابوں میں پڑھتے ہیں۔

اب دیکھیں یہ اللہ کی نعمت ہے، اس لحاظ سے کہ یہ بات لوگوں سے منوانا کہ مرنے والے کے بعد اس کے مال میں اس کے سبھی اعزہ و اقربا کا حق ہے جو اس کے ساتھ قریبی تعلق رکھتے ہیں، میرا خیال ہے کہ اگر اس کو انسانوں پر چھوڑ دیا جاتا تو یہ تسلیم کرانا کم و بیش ناممکن بات ہوتی۔ انسانوں میں ظلم اور استیصال کا جو مادہ ہے، وہ اپنے جواز کے لیے کئی طرح کے استدلالات گھڑ لیتا ہے۔ یہ بات سمجھانا کہ مرنے والے کے مال میں حق صرف طاقت ور اور بارسوخ اور سربرآوردہ شخص کا نہیں، بلکہ دوسرے لوگ بھی اس میں شریک ہیں، آسان کام نہیں تھا۔ اس لیے کہ اس کے حق میں بڑے عملی قسم کے استدلالات موجود تھے۔ دنیا میں عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ مرنے کے بعد مال پر حق

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اصلاً مرنے والے کی اولاد کا ہے۔ ماں باپ بوڑھے ہو چکے ہیں، ان کو خاص ضرورت نہیں۔ خواتین ویسے ہی معاشی ذمہ داری میں شریک نہیں۔ ان کی کفالت مردوں نے ہی کرنی ہے۔ بہن بھائیوں کا اپنا الگ خاندان ہے، گھر بار ہے۔ تو ان سب کا مال سے کیا واسطہ؟ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ باپ کے بعد گھر کی ذمہ داریاں اور معاملات بڑا بیٹا سنبھالتا ہے۔ چھوٹے بھائی بھی عام طور پر بڑے بھائی کے زیر سایہ ہی پرورش پاتے ہیں۔ یہ چیز بڑے بیٹے کو ایک خاص جگہ دے دیتی ہے اور دنیا کے معاشروں میں عملاً وراثت کا حق دار بڑا بیٹا ہی قرار پاتا ہے۔ قرون وسطیٰ میں بہت سے مغربی ملکوں میں جب جاگیرداری کا نظام رائج تھا تو زمین کو تقسیم در تقسیم سے بچانے کے لیے اور بڑی بڑی جاگیروں کو محفوظ رکھنے کے لیے قانوناً وراثت کا حق صرف سب سے بڑی اولاد کے لیے تسلیم کیا جاتا تھا۔ انگریزی میں اس کے لیے Primogeniture کی قانونی اصطلاح استعمال ہوتی تھی کہ جو پہلی اولاد ہے، وراثت اسی کا حق ہے۔

اب یہ بات شریعت نے لوگوں کو بتائی اور سمجھائی اور صرف بتائی اور سمجھائی نہیں، صرف مشورہ نہیں دیا، بلکہ اس کو ایک واجب الاتباع حکم قرار دے کر، فریضۃ من اللّٰہ قرار دے کر ابدی طور پر قانون کا حصہ بنا دیا کہ مرنے والے کے مال میں اس کے ان تمام اعزہ واقربا کا حق ہے جن کے ساتھ اس کا قریبی نسبی یا صہری رشتہ ہے، اس میں ماں باپ بھی شریک ہیں، اس میں میاں بیوی بھی ایک دوسرے کے وارث ہیں، اس میں حالات کے لحاظ سے بہن بھائی بھی شریک ہیں اور اولاد میں صرف بیٹے نہیں، بلکہ بیٹیاں بھی وارث ہوں گی۔ اس تصریح سے قرآن نے سورۂ نساء (۴) کی آیت ۷ میں اس کو بیان کیا کہ 'لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ'، کہ ترکے میں مردوں کا بھی حق ہے۔ 'وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ'، اور عورتوں کا بھی حق ہے اور اس میں اس کا بھی کوئی اعتبار نہیں کہ چھوڑا ہوا مال زیادہ ہے یا کم ہے۔ 'مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ'۔ چار روپے ہیں، تب بھی تقسیم ہوں گے اور چار کروڑ ہیں، تب بھی تقسیم ہوں گے۔ اب دیکھیں، قرآن کے اس اصول میں اور جو عام طور پر دنیا میں رواج چلتا رہا ہے، اس میں اخلاقی لحاظ سے اور رشتہ داروں کے باہمی تعلقات کی بنیاد پر جو حقوق بنتے ہیں، ان کے لحاظ سے، روحانیت کے لحاظ سے کتنا فرق ہے۔ قرآن کا یہ قانون اعلیٰ اخلاقیات پر مبنی ہے، صلہ رحمی اور رشتہ داری کے جو حقوق ہیں، ان کی پاس داری پر مبنی ہے اور اس کا لحاظ نہ رکھنے سے رشتہ داروں میں جو منافرت اور حسد اور بغض کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، ان کا اس میں کس طرح مداوا ہے۔ اب شاید دنیا میں لوگ اس کی اہمیت محسوس نہیں کرتے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ قرآن نے جو بات کہی تھی، اس کے دنیا کی تہذیبوں پر اثرات مرتب ہوئے اور حقوق کے حوالے سے انسانی تصورات میں دوررس تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت کی صورت میں دنیا کے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سامنے جو یہ تصور رکھا، اس کے غیر معمولی اثرات ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اخلاقی لحاظ سے بھی اور عملی لحاظ سے بھی یہ خدا کی ایک نعمت ہے جو اس نے اپنی شریعت کی صورت میں انسانوں کو دی ہے۔

پھر ایک دوسرا پہلو ہے۔ مرنے والے کے مال میں یہ سارے رشتہ دار حق رکھتے ہیں، یہ بات تو واضح ہو گئی، سمجھ میں آ گئی، بتا دی گئی۔ اب اس سے آگے اس سے بھی اہم مسئلہ ہے۔ پہلی صورت میں ایک بداخلاقی تو تھی، لیکن کم سے کم عملاً اس میں نزاع نہیں ہوتا تھا۔ یہ بات مانی ہوئی تھی کہ چلیں، جو بڑا بیٹا ہے یا جو خاندان کا بڑا ہے، وہی مال لے۔ جس کی لاٹھی ہے، اسی کی بھینس ہے۔ ٹھیک ہے، نزاع نہیں ہوتا تھا، جھگڑا نہیں ہوتا تھا۔ عام طور پر ایسے ہی ہوتا ہے کہ جو مظلوم طبقہ ہوتا ہے، وہ کچھ عرصے کے بعد ویسے ہی اپنی اس حیثیت کو قبول کر لیتا ہے۔ وہ تسلیم کر لیتا ہے کہ یہ ہمارا حق ہے ہی نہیں۔ اس کے ذہن سے اپنے حق کا تصور ہی محو ہو جاتا ہے۔

مجھے میرے ایک استاذ نے یہ واقعہ سنایا۔ یہ ایک مثال ہے، ورنہ آپ کو ہر جگہ ایسے واقعات مل جائیں گے۔ آپ کو معلوم ہے کہ گاؤں میں کچھ عرصہ پہلے تک رذیل اور شریف کا بہت شدید فرق ہوتا تھا۔ اب شاید کچھ فرق پڑ گیا ہو، لیکن بالکل ختم نہیں ہوا۔ میل ملاپ میں، اٹھنے بیٹھنے میں ہر اعتبار سے فرق کیا جاتا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ ہمارے گاؤں میں اس کا کوئی تصور نہیں تھا کہ کوئی ''کمی'' چارپائی پر میرے یا آپ کے ساتھ برابر بیٹھ سکے۔ میں ایک مرتبہ گاؤں گیا تو چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ گاؤں کا ایک کمی آیا، اس نے سلام کیا اور نیچے بیٹھ گیا۔ میں نے اسے پکڑ کر زبردستی کہا کہ میرے ساتھ اوپر چارپائی پر بیٹھو۔ وہ منع کرتا رہا، لیکن میں نے کہا کہ نہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اٹھو اور میرے ساتھ بیٹھو۔ وہ بے چارہ بیٹھ گیا۔ شاید اس نے بھی الامر فوق الادب سنا ہو گا۔ بعد میں اس نے تبصرہ کیا کہ دیکھو، یہ شہر سے پڑھ لکھ کر آ گیا ہے، اب میں اس کو کیا کہتا! تو جب آپ کسی آدمی کو، کسی طبقے کو عزت اور اکرام کے تصور سے محروم کر دیتے ہیں تو رفتہ رفتہ یہ چیز ان کے لاشعور میں داخل ہو جاتی ہے کہ ہاں، یہ ایسے ہی ہے اور ایسے ہی معاملات چلتے رہیں گے۔

خیر، میں عرض یہ کر رہا تھا کہ پہلے وراثت کے معاملے میں تنازع نہیں ہوتا تھا، لیکن جب قرآن نے یہ سمجھا دیا، بتا دیا کہ دوسرے رشتہ داروں کا بھی حق ہے تو اب اس کے بعد تو جھگڑا پڑے گا۔ اب جھگڑا یہ پڑے گا کہ کس کا کتنا حق ہے؟ یہ خدا کا بڑا فضل ہے کہ اس نے جھگڑے کا یہ راستہ کھولنے کے بعد اس کا حل بھی بتایا ہے اور قرآن میں اس نے خود اس سارے معاملے کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس نے اصول بھی واضح کیا ہے کہ مرنے والے کے مال میں سب کو حصہ کیوں ملنا چاہیے اور پھر تناسب بھی بتا دیا ہے کس رشتہ دار کو کس صورت میں کتنا ملنا چاہیے۔ اصول یہ بتایا

کہ کسی کے مرنے کے بعد رشتہ داروں کو اس کا مال ملنے کی جو اخلاقی اساس ہے یا یہ سمجھیں کہ اس کی جو قانونی بنیاد ہے، وہ یہ ہے کہ انسان کو دنیا میں رہتے ہوئے اپنے مختلف قریبی رشتہ داروں سے فائدہ ملتا ہے۔ رشتہ داری کی ایک خاص منفعت ہوتی ہے جس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ضروری نہیں کہ وہ مالی فائدہ ہی ہو۔ ماں باپ یا اولاد یا میاں بیوی یا بہن بھائی، یہ سب آپس میں رشتوں میں بندھے ہوئے ہیں اور معاشرے میں رہتے ہوئے، زندگی میں ایک دوسرے کے کام آتے ہیں، ان کو ایک دوسرے سے نفع حاصل ہوتا ہے۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ یہ جو رشتہ داروں کے مابین منفعت کا تعلق ہے، یہ اس کی بنیاد ہے کہ مرنے کے بعد اس کے مال میں ان سب کو حصہ ملے۔ اب کس رشتہ دار سے کتنی منفعت انسان کو ملتی ہے، اس کا فیصلہ کرنا انسان کے لیے ممکن نہیں اور یہ بات اگر اجتہاد پر چھوڑ دی جاتی تو مستقل طور پر نزاعات کا ایک باب کھلا رہتا۔ قرآن نے یہ فیصلہ کر دیا کہ 'لَا تَدْرُوْنَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ لَکُمْ نَفْعًا' (النساء۴: ۱۱)۔ تم یہ طے نہیں کر سکتے کہ کون سا رشتہ دار دوسروں کے مقابلے میں زیادہ منفعت کا باعث ہے اور اس کو تمھارا مال زیادہ ملنا چاہیے۔ اللہ نے تمھاری اس کم علمی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور جھگڑوں کا باب بند کرنے کے لیے یہ حصے بھی طے کر دیے ہیں۔ اب اس باب میں کوئی نزاع ممکن نہیں۔ بعض چھوٹی موٹی اجتہادی شکلوں میں اس نے اختلاف کی گنجایش چھوڑ دی ہے، لیکن جو نہایت قریبی رشتہ دار ہیں اور ان کے وراثت میں شریک ہونے کی جو بنیادی صورتیں ہیں جو دنیا میں عام طور پر پیش آتی ہیں، وہ ایسی ہیں کہ ان میں قرآن کی بیان کردہ تقسیم کافی ہوتی ہے۔

اب آپ دیکھیں کہ اللہ نے شریعت کی صورت میں اپنی جو نعمت عطا کی ہے، اس کے متعلق ہمارا رویہ کیا ہے۔ ہم سے پہلے اللہ کی اس نعمت کی ناشکری یہود نے بھی کی تھی اور بد قسمتی سے آج ہم مسلمان بھی کر رہے ہیں۔ یہود نے بھی یہی رویہ اختیار کیا تھا کہ خدا کی نعمت کے موجود ہوتے ہوئے، اللہ کی کتاب کے اپنے پاس موجود ہوتے ہوئے وہ فیصلے اپنی خواہشات اور سطحی مفادات کے تحت کرتے تھے۔ سورۂ مائدہ میں دیکھیں، اللہ تعالیٰ نے شریعت موسوی کی شان کیسے بیان فرمائی ہے۔ فرمایا کہ ہم نے جو تورات نازل کی تھی، اس میں نور بھی تھا، اس میں ہدایت بھی تھی اور اللہ کے انبیا اس کے مطابق فیصلہ کرتے رہے، بنی اسرائیل کے نیک لوگ اور علما اس کے مطابق فیصلہ کرتے رہے، لیکن ان یہودی احبار و رہبان نے کیا وتیرہ اپنا رکھا ہے؟ یہ اپنے مفادات، دنیوی خواہشات اور سفلی اغراض کے تحت شریعت کے ہوتے ہوئے اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے، اس سے گریز کرتے ہیں۔

آج بد قسمتی سے ہم مسلمان بھی اس معاملے میں انھی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ آج ہمارے ہاں خدا کی شریعت کے معاملے میں عجیب و غریب رویے پیدا ہو گئے ہیں۔ کچھ ایسے طبقات پیدا ہو گئے ہیں جو شریعت سے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

صاف منحرف اور باغی ہیں اور وہ کھلم کھلا اس کو چیلنج کرتے ہیں کہ یہ تو ایک دقیانوسی دور کی تقسیم ہے جب عورتوں کو کمزور سمجھا جاتا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ وراثت میں عورتوں کے حصے کم کیوں ہیں؟ ان کو بھی پورا حصہ ملنا چاہیے۔ یہ ایک باغیانہ رویہ ہمارے بعض طبقات کے ہاں شریعت کے حوالے سے پیدا ہو چکا ہے۔ اس محدود طبقے کو ایک طرف رکھ کر دیکھیں تو ہمارے ہاں بیشتر لوگ، خاص طور پر جو عام مسلمان ہیں، وہ شریعت کا انکار تو نہیں کرتے، اس کے مقابلے میں کھڑے ہو کر چیلنج تو نہیں کرتے، لیکن آپ دیکھ لیں کہ شریعت کے قوانین پر عمل کے معاملے میں صورت حال کیا ہے۔ وراثت کے معاملے میں ہی دیکھ لیں۔ اس معاملے میں تو میرا خیال ہے کہ دین داروں اور غیر دین داروں میں بھی کوئی خاص فرق ڈھونڈنا مشکل ہے۔ خواتین کے معاملے میں عملاً یہ مان لیا گیا ہے اور بہت سے جذباتی ہتھکنڈے اور دباؤ استعمال کر کے خواتین کو بھی اس پر قائل کر لیا گیا ہے کہ وہ باپ یا ماں کے مرنے کے بعد وراثت میں اپنے حصے کا مطالبہ نہ کریں۔ کوئی بہن اگر حصہ مانگ لے تو یہ ناقابل معافی جرم ہے کہ وہ بھائیوں سے حصہ مانگتی ہے۔ دین دار لوگ ہیں تو انھوں نے بھی اس کے جواز کے لیے یہ راستہ نکالا ہوا ہے کہ بہنوں سے معاف کرا لیتے ہیں۔ بہت سے دین دار ہیں جو ایسا کرا لیتے ہیں تاکہ یہ کہہ سکیں کہ ہم نے بہنوں کی حق تلفی نہیں کی۔ بھئی، اگر بہن کو یہ منظر نظر آ رہا ہو کہ آج میں لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپے لے لوں گی اور اس کے بعد باقی ساری زندگی کے لیے میرے ساتھ تعلق ختم ہو جائے گا اور اگر رہے گا بھی تو بس برائے نام رہے گا تو اس نے تو معاف کرنا ہی ہے۔

ہمارے استاذ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر فرمایا کرتے تھے کہ ایسی زبانی کلامی معافی کا کوئی اعتبار نہیں، چاہے بہن دس دفعہ منہ سے کہہ دے یا لکھ کر دے دے کہ میں نے اپنا حق معاف کیا، کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ یہ حقیقت میں طیب خاطر سے معاف نہیں کیا گیا۔ وہ کہتے تھے کہ معافی وہ معتبر ہے کہ آپ بہن کو اس کا جو حصہ بنتا ہے، وہ الگ کر کے اس کے سپرد کریں۔ وہ بالفعل اس کی مالک بن جائے، اس کو اس میں تصرف کا حق حاصل ہو جائے اور پھر اس کے بعد وہ اپنی مرضی سے، کسی دباؤ کے بغیر اور کسی طعن وتشنیع یا قطع تعلق کے خوف کے بغیر یہ کہے کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں، میں اپنے بھائی کو دیتی ہوں تو وہ ایک الگ مسئلہ ہے۔ لیکن جہاں کسی قسم کا کوئی دباؤ، کوئی خوف یا قطع تعلق کا کوئی اندیشہ شامل ہو گا تو اس معافی کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں، بلکہ بعض اکابر صحابہ وتابعین کے ایسے فیصلے موجود ہیں کہ اگر عورت شادی ہونے اور بچے کو جنم دینے سے پہلے اس طرح کا کوئی فیصلہ کرے تو وہ اسے قانوناً نافذ ہی نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ جلیل القدر تابعی عامر شعبی کہتے ہیں کہ قریش کی ایک لڑکی سے اس کے بھائی نے کہا کہ تم اپنے شوہر کے پاس جانے سے پہلے اپنی وہ میراث جو تمھیں اپنے والد کی طرف سے ملی ہے، مجھے ہبہ کر دو۔ لڑکی نے اس

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کی بات مان لی، لیکن پھر شادی ہو جانے کے بعد اس نے اپنی میراث دوبارہ مانگی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وہ اسے واپس دلوا دی اور قاضی شریح کو تاکید کی کہ جب تک عورت اپنے شوہر کے گھر میں جا کر ایک سال نہ گزار لے یا ایک بچے کو جنم نہ دے دے، اس وقت تک اس کی طرف سے ہبہ کے فیصلے کو نافذ نہ مانا جائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۱۹۱۴، ۲۱۹۱۶) اس فیصلے کے پیچھے بھی یہی حکمت دکھائی دیتی ہے کہ شادی سے پہلے لڑکی اپنے مال کے متعلق بہتر فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتی اور مال کی اہمیت کا احساس اسے دراصل شوہر اور بچوں والی زندگی سے واسطہ پیش آنے کے بعد ہی ہوتا ہے، اس لیے وراثت میں اپنا حق معاف کرنے یا نہ کرنے کے ضمن میں اس کا فیصلہ بھی وہی معتبر ہو گا جو وہ اس صورت حال سے سابقہ پیش آنے کے بعد کرے گی۔

بہرحال ہمارے معاشرے میں عملاً یہی ہو رہا ہے اور خواتین کو ان کا حق نہیں ملتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اپنی اس نعمت کی قدر کرنے، اس کے جو فوائد اور حکمتیں ہیں، ان کو سمجھنے کی اور ان پر عمل کرنے کی توفیق اور ان سے جو اخلاقی، روحانی، معاشرتی فوائد و برکات حاصل ہو سکتے ہیں، ان سے بہرہ ور ہونے کی سعادت نصیب فرمائے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد وسیم اختر مفتی*

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

[''سیر وسوانح'' کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

۳

حضرت تمیم بن حرام کہتے ہیں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی صحبت میں بیٹھا ہوں۔ میں نے کسی کو حضرت عبداللہ بن مسعود سے زیادہ دنیا سے بے رغبت اور ان سے بڑھ کر آخرت کی خواہش کرنے والا نہیں دیکھا۔ مجھے ہرگز پسند نہیں کہ ابن مسعود کے علاوہ کسی شخص کی تربیت میں رہوں۔ رات کو جب لوگ آنکھیں بند کر کے سو جاتے، حضرت عبداللہ بن مسعود نوافل ادا کرنے کھڑے ہو جاتے۔ پست آواز میں تلاوت کرتے تو یوں محسوس ہوتا، ان کے گھر میں شہد کی مکھیاں بھنبھنا رہی ہیں۔ (مستدرک حاکم، رقم ۵۳۷۷) یہ سلسلہ صبح تک جاری رہتا۔ زیادہ رونے کی وجہ سے ان کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے۔ موت کو یاد کرتے اور کہتے، آج میری تیاری نہیں، میرا دل چاہتا ہے، مروں تو دوبارہ نہ اٹھوں۔ فرمایا، جو آخرت کو مقصود بناتا ہے، دنیا خراب کر لیتا ہے اور جو دنیا کو مطمح نظر بنا لیتا ہے، اس کی آخرت برباد ہو جاتی ہے۔ لوگو! ہمیشہ رہنے والی آخرت کی خاطر دنیاے فانی کا نقصان برداشت کر لو۔ جو دنیا میں ریا کاری اور دکھاوا کرتا ہے، روز قیامت اللہ بھی اس سے ٹال مٹول کرے گا۔ جو دنیا کی شہرت حاصل کرنا چاہتا ہے، اللہ اس کی آخرت میں دنیا ہی کی رسوائیاں لکھ دیتا ہے۔ جو بلندیاں پانے کے لیے دوڑتا ہے، اللہ اسے پست کر دیتا ہے اور جو اللہ کی خشیت اختیار کرتا ہے، اللہ اسے بلند کر دیتا ہے۔ ایک بار یوں نصیحت کی، اللہ کی قسمت پر راضی ہو جاؤ تو مالدار ترین بن جاؤ گے، حرام کاموں سے بچو تو تقویٰ کی بلند ترین منزلیں پا لو گے، اپنے

* drwaseem_mufti@yahoo.com۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

فرائض ادا کر لو تو سب سے بڑے عبادت گزار بن جاؤ گے۔ کہتے ہیں، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، دولت مندی ہو یا غربت۔غربت میں صبر اور تونگری میں تواضع، دونوں اللہ کے حق ہیں جن کا دھیان رکھنا پڑتا ہے۔میں سمجھتا ہوں، ایک صاحب علم آدمی اپنی کی ہوئی کسی غلطی کی وجہ سے سیکھا ہوا علم بھی بھول جاتا ہے۔علم حاصل کرو، جب یہ حاصل ہو جائے تو عمل پر جت جاؤ۔علم زیادہ روایات جان لینے کا نام نہیں، یہ تو خشیت الٰہی ہے۔وہ گھر (دل) جس میں کتاب اللہ کا کوئی علم نہیں، اصلاً اجاڑ اور بے آباد گھر ہے۔حامل قرآن کی پہچان یہ ہے کہ جب لوگ سوئے ہوئے ہوں، وہ بیدار ہوتا ہے۔سب کھا پی رہے ہوتے ہیں، وہ روزے سے ہوتا ہے،لوگ خوش باش ہوں، وہ غمگین ہوتا ہے۔سب ٹھٹھا کر رہے ہوں، وہ گریہ کرتا ہے۔لوگ مل جل کر باتیں کر رہے ہوتے ہیں، وہ خاموش ہوتا ہے۔لوگ ڈینگیں مار رہے ہوتے ہیں، وہ عاجزی سے بیٹھا ہوتا ہے۔شیطان سورۂ بقرہ کی تلاوت سنتے ہی گھر سے بھاگ نکلتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ہر جمعرات کے دن لوگوں کو پند و نصیحت کرتے تھے۔ایک شخص نے کہا، ابوعبدالرحمان ! میرا دل چاہتا ہے، آپ ہمیں ہر روز وعظ و نصیحت کیا کریں۔انھوں نے جواب دیا، ایسا کرنے سے مجھے ایک ہی شے روکتی ہے کہ میں تمھیں اکتانا نہیں چاہتا۔میں موقع و محل دیکھ کر تمھیں نصیحت کرتا ہوں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس خیال سے کہ ہم اکتا نہ جائیں، نصیحت کرنے میں وقت اور موقع کا لحاظ فرماتے تھے۔(بخاری، رقم ۷۰) ایک دفعہ وعظ کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا، اپنا دین کسی شخص کے ہاتھ میں نہ دے دینا۔وہ ایمان لائے تو تم لے آؤ، وہ کفر کرے تو تم اس کے پیچھے کفر کا ارتکاب کرو۔اگر پیروی ہی کرنی ہے تو دنیا سے چلے جانے والے کی کرو، کیونکہ زندہ آدمی کا کچھ پتا نہیں ہوتا، کب فتنے میں مبتلا ہو جائے۔ایک موقع پر ارشاد کیا، اللہ سے ملاقات ہی مومن کی سب سے بڑی خوشی ہوتی ہے۔جو اس راحت کو پانے کی واقعی آرزو کرتا ہے، اسے یہ مل جاتی ہے۔دلوں کی چبھن سے بچ کر رہو، جو شے دل کو کھٹکے چھوڑ دو۔روے زمین پر زبان ہی ایسی شے ہے جسے لمبی قید ہونی چاہیے۔ایک خطبے میں کہا، لوگو! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے زیادہ نمازیں پڑھتے ہو، روزے رکھتے ہو اور ان سے بڑھ کر اجتہاد کرتے ہو پھر بھی وہ تم سے بہتر تھے۔پوچھا، کیوں؟ بتایا، وہ دنیا سے بے پروا اور آخرت کی رغبت رکھنے والے تھے۔ایک شخص نے وصیت کرنے کو کہا تو فرمایا، تم اپنے گھر ہی میں کشادگی پاؤ، اپنی زبان پر قابو رکھو اور اپنی غلطیوں پر گڑگڑاؤ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے ایک شخص کو تہ بند لٹکائے ہوئے دیکھا تو کہا، اپنا تہ بند اونچا کرو۔اس نے کہا، ابن مسعود! اپنا تہ بند تو سنبھال لیں۔کہا، میں تمھاری طرح نہیں، میری پنڈلیاں پتلی ہیں اور میرا رنگ گندمی ہے۔ حضرت عمر تک یہ بات پہنچی تو اس شخص کو ایک ضرب لگائی اور کہا، کیا تو نے ابن مسعود کو جواب دیا؟

حضرت حذیفہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے اہل علم کو معلوم ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود اللہ کے بہت قریب اور کتاب اللہ کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ایک بار حضرت عمر ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود آئے اور بیٹھنے لگے۔اپنے چھوٹے قد کی وجہ سے وہ لوگوں میں چھپ گئے تھے۔سیدنا عمر ان سے ہنسی مذاق کرنے لگے، واپس ہوئے، نظروں سے اوجھل ہوئے تھے کہ سیدنا عمر نے کہا، ابن مسعود علم کی زنبیل (کُنَیف) ہیں جو علوم و معارف سے لبریز ہے۔ یہ فقرہ انھوں نے تین بار کہا۔سیدنا عمر کے کہنے کے بعد عبداللہ بن مسعود لفظ کُنَیف سے ملقب ہو گئے، یہ لقب محدثین کے ہاں ان کے لیے خاص ہو گیا۔فتاویٰ ظہیریہ (مرتبہ: ظہیرالدین بخاری، متوفی ۶۱۹ھ) میں ہے کہ یہ لقب خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں عطا کیا تھا۔حضرت علی نے کہا، حضرت عبداللہ بن مسعود نے قرآن پڑھا، سنت کا علم حاصل کیا، علم ہی پر اکتفا کر لیا اور یہی بہت ہے۔ (مستدرک حاکم، رقم ۵۲۹۲) حضرت عبداللہ خود بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارکہ سے ستر سورتیں سیکھیں۔(بخاری، رقم ۵۰۰۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا، تو پڑھا ہوا بالک ہے۔(مسند احمد، رقم ۳۵۹۹) ابن مسعود بیان کرتے ہیں، ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سورۂ نساء (۴) سنانے کا حکم دیا۔ میں نے عرض کیا، کیا میں پڑھ کر سناؤں، حالانکہ قرآن تو آپ پر نازل ہوا ہے؟ فرمایا، میں دوسرے کے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔میں نے تلاوت شروع کی۔جب آیت 'فکیف اذا جئنا من کل امة بشهيد و جئنا بك على هؤلاء شهيدا'، (۴۱) پر پہنچا تو آپ نے روک دیا، تب آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔(بخاری، رقم ۴۵۸۲، مسلم، رقم ۱۸۱۹) حضرت علقمہ شام گئے تو ابوالدردا سے ان کی ملاقات ہوئی۔ انھوں نے پوچھا، کیا تمھارے ساتھ وہ صاحب (حضرت عبداللہ بن مسعود) نہیں رہتے جن پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتوں، بستر اور وضو کے پانی کی ذمہ داری تھی، جو راز دان رسالت تھے؟ (بخاری، رقم ۳۷۶۱)

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

مسروق کہتے ہیں، میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے ساتھ رہا ہوں۔انھیں میں نے ایک ذخیرۂ آب کی مانند پایا ہے جو ایک شخص کو، دو افراد کو، دس آدمیوں کو، سو انسانوں کو حتیٰ کہ تمام اہل زمین کو سیراب کر سکتا ہے۔عبداللہ بن مسعود ایسا چشمہ ہی تھے۔ابوموسیٰ اشعری سے کسی نے وراثت کا مسئلہ دریافت کیا۔انھوں نے بتا کر تصدیق کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس بھیج دیا۔ان کے فتویٰ میں غلطی نکل آئی تو کہا، جب تک علامہ ابن مسعود موجود ہیں، مجھ سے استفتا نہ کریں۔(بخاری، رقم ۶۷۳۶)

شام کے لوگ مقداد بن اسود اور ابوالدردا کی سکھائی ہوئی قراءت کے مطابق قرآن پڑھتے، اہل عراق اس

معاملہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابوموسیٰ اشعری کے پیرو تھے۔ یہ لوگ آپس میں ملتے تو اپنی اپنی قراءت کی فضیلت جتاتے، ان کے اختلافات سن کر نئے ایمان لانے والے تذبذب میں مبتلا ہو جاتے کہ کس قراءت کو اختیار کریں۔ ان حالات میں اندیشہ تھا کہ کوئی نیا فتنہ نہ جنم لے لے۔ اس لیے خلیفۂ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے قرآن مجید کا وہ نسخہ حاصل کیا جو پہلے حضرت ابوبکر پھر حضرت عمر کے پاس رہا اور زید بن ثابت انصاری کو اس کی کتابت کرنے کا حکم دیا۔ انھوں نے اس کی نقلیں کروا کر شام، مصر، کوفہ، بصرہ، مکہ اور یمن بھجوا دیں، ملت اسلامیہ کو اس مصحف پر جمع ہونے اور دیگر قراءتوں والے مصاحف کو جلانے کا حکم دیا۔ عبداللہ بن مسعود سے بھی ان کا مصحف لے کر خاکستر کر دیا گیا۔ اس موقع پر انھوں نے لوگوں سے خطاب کیا اور کہا، مجھے زید بن ثابت کی قراءت کو اختیار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے ستر سے زیادہ سورتیں حاصل کی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جانتے ہیں، میں ان سب سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والا ہوں، حالانکہ میں ان میں سے بہترین نہیں۔ (بخاری، رقم ۵۰۰۰، مسلم، رقم ۶۴۱۴)، کسی نے اس بات میں مجھ سے اختلاف نہیں کیا۔ زید بن ثابت صاحب عز و شرف ہیں، تب ان کے سر پر دو چوٹیاں (یا ایک چوٹی) ہوتی تھیں اور وہ بچوں سے کھیلا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں کوئی سورت، کوئی آیت ایسی نہیں جس کے بارے میں مجھے علم نہ ہو کہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اور کب اتری۔ اگر مجھے علم ہو جاتا کہ کوئی مجھ سے بھی زیادہ قرآن جاننے والا ہے اور اونٹوں کی سواری مجھے اس تک پہنچا دے گی تو میں ضرور اس کے پاس جاتا۔ (بخاری، رقم ۵۰۰۲، مسلم، رقم ۶۴۱۵) راوی ابووائل کہتے ہیں، میں خلق کثیر میں اٹھا بیٹھا ہوں، ان میں اصحاب رسول بھی تھے، کسی کو بھی ابن مسعود کے اس دعوے کی تردید کرتے نہیں سنا۔ ایک روایت میں ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا، مجھے مصاحف کی کتابت سے دور رکھا گیا ہے اور یہ کام زید بن ثابت کو سونپ دیا گیا ہے۔ میں جب اسلام لایا تھا، وہ اپنے کافر باپ کے صلب میں تھے، یعنی پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ پھر یہ آیت پڑھ کر اہل کوفہ کو اپنے مصاحف چھپانے کا مشورہ دیا، 'ومن یغلل یات بما غل یوم القیٰمۃ'، اور جو چھپائے گا، اپنا چھپایا ہوا روز قیامت پیش کرے گا (سورۂ آل عمران ۳:۱۶۱) اور کہا، اپنے مصاحف کے ساتھ اللہ کے سامنے پیش ہو جانا۔ ان کے اس عمل کو کئی صحابہ نے پسند نہیں کیا۔ ایک روایت میں سیدنا عثمان پر ان کی تنقید کا ذکر بھی ملتا ہے، لیکن محدثین نے اسے انتہائی ضعیف قرار دیا ہے۔ سیدنا عثمان نے زید کو کیوں ترجیح دی؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مدینہ میں اور ابن مسعود کوفہ میں مقیم تھے۔ حضرت عبداللہ ادا (قراءت) کے امام تھے اور زید کو رسم قرآن کی مہارت حاصل تھی۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں بھی وحی کی کتابت کرتے رہے تھے۔ سیدنا ابوبکر نے مصحف قرآنی کو یک جا کرنے اور ایک تحریر میں لانے کا ارادہ کیا تو اس کی ذمہ داری انھی کو سونپی۔ ذہبی کہتے ہیں، ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے مصحف میں کچھ منسوخ آیات شامل تھیں، جبکہ زید کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تجویز کردہ آخری نسخہ تھا۔ رجب ۳۹۸ھ میں کچھ شیعہ علما نے قرآن مجید کے ایک نسخے کے بارے میں دعویٰ کیا کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا ہے۔ وہ نسخہ تمام مصاحف سے مختلف تھا اس لیے ابوحامد اسفراینی اور دوسرے فقہا نے اسے جلا ڈالنے کا فتویٰ دیا۔ جب اسے جلایا گیا تو شیعہ سخت غضب ناک ہوئے، کچھ نوجوانوں نے اسفراینی پر حملہ کرنا چاہا، بغداد میں لڑائی اور ہنگامہ ہوا۔ آخر کار خلیفہ منصور کی مداخلت سے یہ فتنہ ٹلا۔

ایک رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اہم مسئلے پر سیدنا ابوبکر سے گفتگو فرمائی۔ مسجد میں آئے تو سیدنا علی اور سیدنا عمر بھی ساتھ مل گئے۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نماز میں کھڑے ہیں اور تواتر سے سورۂ نساء پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے ان کی قراءت سنی اور ارشاد فرمایا، جسے بھلا لگتا ہے کہ قرآن ویسے ہی (سنے یا) پڑھے جیسے ابھی اترا تو ابن ام عبد (ابن مسعود) کی قراءت (سنے یا اس) کے مطابق پڑھے۔ نماز کے بعد وہ استغفار کرنے اور دعا مانگنے لگے تو آپ نے فرمایا، مانگو، دیا جائے گا۔ انھوں نے دعا کی، اے اللہ! میں تم سے وہ ایمان مانگتا ہوں جو لازوال ہو، ایسی نعمتیں جو برباد نہ ہوں، آنکھوں کی ٹھنڈک جو ختم نہ ہو اور جنت خلد کے اعلیٰ درجوں میں تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت چاہتا ہوں۔ اس بات پر سیدنا عمر حضرت عبداللہ کو بشارت دینے آئے تو دیکھا کہ سیدنا ابوبکر ان سے پہلے ان کی طرف جا رہے ہیں تو ان سے کہا، آپ نیکی کی طرف خوب لپکتے ہیں۔ (مستدرک حاکم، رقم ۵۳۸۶) بخاری کی روایت ہے، آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قرآن کریم چار صحابیوں حضرت عبداللہ بن مسعود، ابوحذیفہ کے آزاد کردہ سالم، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل سے سیکھو۔ (بخاری، رقم ۳۷۵۸، مسلم، رقم ۶۴۱۶) حضرت حذیفہ کی روایت ہے، آپ نے فرمایا، میرے بعد سیدنا ابوبکر وعمر کی پیروی کرنا، عمار بن یاسر کے طریقے پر چلنا اور ابن ام عبد کے عہد کو تھامے رکھنا۔ (ترمذی، رقم ۳۶۶۲) حضرت عبداللہ بن عباس نے ابوظبیان سے سوال کیا، دو قراءتوں میں ہم کس کو اختیار کریں؟ انھوں نے جواب دیا، پہلی قراءت ابن ام عبد کی ہے۔ ابن عباس نے تائید کی، ہاں! دوسری قراءت بھی یہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ایک بار جبرئیل علیہ السلام کو قرآن پڑھ کر سناتے، جس سال آپ کی وفات ہوئی، آپ نے دو مرتبہ قرآن سنایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اس موقع پر موجود تھے، انھیں علم تھا، کیا منسوخ ہوا، کیا تبدیل ہوا۔ حج کے موقع پر سیدنا عمر عرفات میں تھے کہ ایک آدمی نے بتایا،

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

میں کوفہ سے آیا ہوں۔ وہاں ایک شخص قرآن پاک زبانی املا کراتا ہے۔ سیدنا عمر کو سخت غصہ آیا، بے قابو ہونے لگے۔ پھر پوچھا، وہ کون ہے؟ جواب ملا، حضرت عبداللہ بن مسعود۔ دفعتہً ان کا غصہ جاتا رہا۔ پرسکون ہو کر بولے، میرے علم میں ان کے علاوہ کوئی شخص ایسا نہیں جسے یہ حق حاصل ہو۔ ابوعبدالرحمٰن سلمیٰ، عبید بن نضلہ اور چند دوسرے قراء نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے قراءت روایت کی ہے۔

عہد فاروقی میں ابن مسعود کا وظیفہ چھ ہزار درہم سالانہ مقرر تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے ۳۲ یا ۳۳ء میں مدینہ میں وفات پائی۔ حارث بن سوید ان کی تیمارداری کرنے آئے تو ان کو یہ فرمان رسول سنایا، اللہ اپنے بندۂ مومن کی توبہ سے اس مسافر کی خوشی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جسے آخری وقت میں اپنی کھوئی ہوئی سواری اور زادراہ واپس مل جائے۔ (مسلم، رقم ۷۰۵۵) بستر مرگ پر تھے کہ سیدنا عثمان عیادت کے لیے آئے اور پوچھا، کیا تکلیف محسوس کر رہے ہیں؟ کہا، اپنے گناہوں کا درد ہو رہا ہے۔ سیدنا عثمان نے سوال کیا، کیا آرزو ہے؟ اپنے رب کی رحمت کی تمنا ہے۔ انھوں نے کہا، میں آپ کے لیے طبیب کا بندوبست کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ جواب ملا، طبیب ہی نے مجھے بیمار کیا ہے۔ پھر انھوں نے کچھ مال و دولت عطیہ کرنے کی پیش کش کی تو ابن مسعود نے کہا، مجھے اس کی حاجت نہیں۔ سیدنا عثمان نے کہا، یہ آپ کی بیٹیوں کے کام آئے گا۔ جواب دیا، کیا آپ میری بیٹیوں پر غربت آنے کا اندیشہ رکھتے ہیں؟ میں نے انھیں نصیحت کر رکھی ہے کہ ہر رات کو سورۂ واقعہ کی تلاوت کریں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے، ''جو ہر شب سورۂ واقعہ کی تلاوت کرے گا اس پر کبھی فاقہ نہ آئے گا۔'' حضرت عثمان نے یہ بات اس لیے کی، کیونکہ انھوں نے دو سال سے ان کا وظیفہ بند کر رکھا تھا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت زبیر بن عوام سیدنا عثمان کے پاس آئے اور کہا، عبداللہ کے وارث وظیفے کی رقم پر زیادہ حق رکھتے ہیں۔ تب سیدنا عثمان نے پندرہ ہزار درہم دیے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خلیفۂ دوم سیدنا عمر کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود اور کوفہ کے کئی مال داروں نے سرکاری وظیفہ لینا از خود بند کر دیا تھا۔ ابن مسعود بغداد کے نواح میں واقع راذان کی جائیداد پر گزارا کرتے رہے۔ وفات کے وقت ان کے پاس نوے ہزار مثقال سونا تھا، گھریلو سامان، غلام اور مویشی ان کے علاوہ تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی نماز جنازہ سیدنا عثمان نے پڑھائی۔ آخری آرام گاہ جنت البقیع میں ہے۔ عمر چھیاسٹھ برس ہوئی۔ ایک شاذ روایت کے مطابق انتقال کوفہ میں ہوا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق نماز جنازہ زبیر بن عوام نے پڑھائی اور تدفین ان کی وصیت کے مطابق رات کے وقت جنت البقیع میں کی گئی۔ سیدنا عثمان کو تدفین کا علم نہ ہو

سکا تو وہ زبیر پر ناراض ہوئے۔حضرت عبداللہ بن مسعود نے بسملہ سے ابتدا کر کے وصیت لکھنا شروع کی۔حضرت زبیر بن عوام اور حضرت عبداللہ بن زبیر کو اپنا وصی بنایا اور کہا، یہ دونوں میرے ترکہ کے بارے میں جو فیصلہ کریں گے روا ہوگا۔میری بیٹیاں ان کی مرضی ہی سے نکاح کر سکیں گی ،میری بیوہ زینب کو نہ روکا جائے۔(مستدرک حاکم، رقم ۵۳۷۳) فلاں غلام پانسو درہم ادا کرنے کے بعد آزاد ہو جائے گا۔دوسو درہم کا کفن پہنایا جائے اور عثمان بن مظعون کی قبر کے پاس دفنایا جائے۔

فقیہ امت حضرت عبداللہ بن مسعود نحیف و لاغر، پستہ قامت اور سیاہی مائل گندم گوں تھے۔پیٹ بڑا اور ٹانگیں دبلی تھیں۔بال سرخ اور لمبے تھے جو کانوں تک آتے۔ان کی لٹیں کانوں پر یا ان کے پیچھے پڑی رہتیں۔خضاب نہ لگاتے تھے۔سفید لباس پہنتے ،عطر لگاتے ،ان کے پاس سے ایک مہک سی آتی۔رات کے اندھیرے میں اسی مہک سے ان کو پہچانا جا سکتا تھا۔لوہے کی انگوٹھی پہنتے۔کہتے تھے، جب سے مسلمان ہوا ہوں، دن چڑھے نہیں سویا۔حضرت عبداللہ بن مسعود ذہین اور باریک بین تھے۔ظاہری وضع قطع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید کیا کرتے تھے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حضرت عبداللہ بن مسعود انتہائی احتیاط سے اس خوف کے ساتھ فرمان نبوی سناتے کہ کہیں غلط بات منہ سے نہ نکل جائے۔حدیث روایت کرتے ہوئے ان پر لرزہ طاری ہو جاتا اور پیشانی پسینے سے تر ہو جاتی۔(مستدرک حاکم، رقم ۵۳۷۴) کہتے ،شیطان انسانی صورت دھار لیتا ہے اور لوگوں کو جھوٹی باتیں بتاتا ہے۔پھر سننے والا کہتا ہے، میں نے ایک شخص سے سنا ہے جس کا چہرہ تو یاد ہے لیکن نام نہیں آتا۔(مسلم، رقم ۱۸) حضرت عمرو بن میمون کہتے ہیں، میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس ایک سال تک جاتا رہا، اس پورے عرصہ میں انھوں نے محض ایک بار 'قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم' کہا۔تب کرب کی وجہ سے ان کے ماتھے سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ان کے شاگرد علقمہ بتاتے ہیں، ابن مسعود ہر جمعرات کی شام کھڑے ہو کر وعظ کرتے۔میں نے انھیں صرف ایک دفعہ 'قال رسول اللہ' کہتے سنا، دیکھا کہ جس عصا سے وہ ٹیک لگائے کھڑے تھے، لڑکھڑا رہا تھا۔اس کے باوجود تاریخ اسلامی کے کئی اہم واقعات مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر معراج ان کے روایت کردہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسود سے چار سو اڑتالیس احادیث مروی ہیں۔ان میں ایک سو بیس صرف بخاری میں اور پینتیس صرف مسلم میں ہیں جب کہ چونسٹھ احادیث متفق علیہ ہیں، یعنی بخاری و مسلم دونوں میں بیان ہوئی ہیں۔مکررات شامل کر کے باقی کتب حدیث میں شامل مرویات کی کل تعداد آٹھ سو چالیس ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، عمر، سعد بن معاذ اور صفوان بن عسال سے حدیث روایت

کی۔حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرنے والوں میں شامل ہیں، ان کے بیٹے،عبدالرحمان اور ابوعبیدہ،ان کے بھتیجے عبداللہ بن عتبہ، ان کی اہلیہ زینب ثقفیہ،صحابہ میں سے عبداللہ بن عمر،عبداللہ بن عباس،ابوموسیٰ اشعری، عبداللہ بن زبیر،ابورافع،ابوشریح خزاعی،ابوسعید خدری،جابر بن عبداللہ،انس،ابوجحیفہ،ابوامامہ،ابوطفیل،عمران بن حصین،عمرو بن حارث،حجاج بن مالک،عبداللہ بن حارث،ابوہریرہ،کلثوم بن مصطلق اور طارق بن شہاب۔تابعین میں سے علقمہ،اسود،مسروق،ربیع بن خثیم،قاضی شریح،ابووائل شقیق،زید بن وہب،احنف بن قیس،زر بن حبیش، ابوعمرو شیبانی،عبیدہ بن عمرو،عبداللہ بن شداد،عمرو بن میمون،عمرو بن شرحبیل،مالک بن ابوعامر،مستورد بن احنف، ابواسود دؤلی،عبدالرحمان بن ابولیلیٰ،قیس بن ابوحازم،ابوعثمان نہدی،حارث بن سوید،عوف بن مالک،کمیل بن زیاد اور ربعی بن خراش۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اچھے خطیب تھے۔ان کے خطبات عمدہ ادب کا نمونہ ہوتے،امثال کا خوب استعمال کرتے۔خطبا کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا،لوگوں سے اس طرح مخاطب ہو کہ وہ تم پر نظریں گاڑ دیں اور کان تمھاری طرف لگا دیں۔حاضرین کی طرف سے عدم توجہی محسوس کرو تو بات ختم کر دو۔ان کا ایک خطبہ نقل کیا جاتا ہے۔''سب سے سچا کلام اللہ کی کتاب،قرآن مجید ہے۔بہترین زاد راہ اور قابل اعتماد ترین شے تقویٰ ہے۔بہترین ملت، ملت ابراہیمی ہے۔بہترین طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔بہترین ہدایت انبیا کی سجھائی ہوئی ہدایت ہے۔ بہترین گفتگو اللہ کا ذکر ہے۔سب سے اعلیٰ بیان قرآن مجید ہے۔بدترین کام ہیں جو کتاب وسنت کے بعد گھڑے جائیں۔بہترین کام ہیں جو پختہ اور معتدل ہوں۔جو کلام مختصر ہو اور وضاحت کا محتاج نہ ہو اس گفتگو سے کہیں بہتر ہے جو لمبی ہو اور ذہن کو منتشر کر دے۔اپنے نفس پر کنٹرول کر کے کج روی سے بچ جاؤ تو یہ اس حکمرانی سے بہت بہتر ہے جس میں عدل و انصاف کرنا تمھارے بس سے باہر ہو۔بہترین دولت دل کی بے نیازی ہے۔دل میں جاگزیں ہونے کے لیے یقین ہی بہترین اثاثہ ہے۔شراب گناہوں کا گٹھا ہے۔عورتیں شیطان کے دام (پھندے) کا کام دیتی ہیں۔جوانی ایک طرح کا جنون ہے۔تھوڑے (نیک کام) پر اکتفا کر لینا عاجزی اور (نیکی سے) محرومی کی کلید بن جاتا ہے۔ایسے لوگ (منافقین) بھی ہیں جو آخری وقت میں آ کر نماز (باجماعت یا نماز جمعہ) میں شامل ہوتے ہیں اور اللہ کو تھوڑا ہی (مثلاً قسمیں کھانے کے لیے) یاد کرتے ہیں۔بدترین جرم جھوٹ کی عادی زبان رکھنا ہے۔بین عمل جاہلیت ہے۔مومن کو گالی دینا فسق و کج رائی،اس سے جنگ کرنا کفر اور غیبت کر کے اس کا گوشت کھانا معصیت ہے۔جو لوگ اللہ کے بارے میں جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ یوں یا اس طرح کرے گا یا فلاں کو دوزخ

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

میں ڈالے گا، اللہ اس کا جھوٹا ہونا ثابت کر دیتا ہے۔ جو عفو و درگزر سے کام لیتا ہے، اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ نیکوکاروں کے دیوان میں لکھا ہے، جو معاف کرتا ہے، اس سے چشم پوشی کی جاتی ہے۔ بدبخت ہے جو ماں کے پیٹ ہی سے بدبختی لے کر آتا ہے۔ خوش قسمت ہے جو دوسروں کے انجام سے نصیحت پکڑتا ہے۔ معاملات اپنے حتمی نتائج سے یاد رکھے جاتے ہیں۔ کسی کام کا خلاصہ یا نچوڑ اس کے انجام میں مضمر ہوتا ہے۔ بدترین ملامت ہے جو موت آنے پر کی جائے۔ بدترین ندامت ہے جو قیامت کے روز ہو۔ بدترین گمراہی ہدایت پا لینے کے بعد گمراہ ہونا ہے۔ بہترین مال داری دل کی تونگری ہے۔ بدترین کمائی سود سے حاصل ہونے والی کمائی ہے۔ بدترین خوراک یتیم کا مال ہڑپ کر لینا ہے۔ سب سے اعلیٰ موت شہادت پانا ہے۔ جو مصیبت کا ادراک کر لیتا ہے، اسے صبر حاصل ہو جاتا ہے۔ جو صعوبت کو سمجھ نہیں پاتا، کڑھتا رہتا ہے۔ جو شیطان کا کہا مانتا ہے، اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے۔'' جو حضرات خطبے کے اصل عربی متن سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں البیان والتبیین ملاحظہ فرمائیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کوفہ میں پندرہ سو صحابہ کی آمد ہوئی اس لیے یہ حدیث اور فقہ کی تعلیم کا اہم مرکز بن گیا۔ خلیفۂ چہارم سیدنا علی کی خلافت کے آخری چار سال کوفہ میں گزرے، ان کے فتووں کا اس شہر میں چرچا ہوا۔ یہاں کے دوسرے بڑے فقیہ حضرت عبداللہ بن مسعود ہوئے۔ ان کے شاگرد حضرت علقمہ بن قیس کو فقہ کے کوفی مکتب فکر کا بانی سمجھا جاتا ہے، علقمہ کے شاگرد ابراہیم نخعی فقہ ابن مسعود سے مالا مال ہوئے پھر حماد بن ابو سلیمان نے ان سے یہ علم پایا۔ اسی شہر میں امام ابوحنیفہ نے جنم لیا، وہ اٹھارہ سال حماد کی تربیت میں رہے۔ انھیں زین العابدین اور جعفر صادق سے بھی تلمذ رہا۔ خود فرماتے ہیں، میں نے چار فقیہ صحابیوں حضرت عمر، علی، ابن مسعود اور ابن عباس کی فقہ الگ الگ ان کے شاگردوں سے سیکھی۔ فقہ حنفی کس طرح وجود میں آیا، فقہاے حنفیہ کی وضع کردہ یہ تمثیل خوب وضاحت کرتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی تخم ریزی سے یہ مکتب فقہ کاشت ہوا، علقمہ نے آب پاشی کر کے اسے سینچا، ابراہیم نخعی نے اس کی فصل کاٹی، حماد نے چھان پھٹک کر صاف کیا، امام ابوحنیفہ نے چکی میں پیس کر اسے غلہ کی شکل دی، امام ابو یوسف نے اس کا آٹا گوندھا اور آخر کار امام محمد نے اس کی روٹی پکائی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی کاشت کردہ فصل سے پکی ہوئی یہی روٹی ہے جو فقہ حنفی کے پیروکار اب تک کھا رہے ہیں۔

''السنن الکبریٰ'' میں بیہقی نے اور ''تنقیح'' میں ابن عبدالہادی نے حضرت ابن مسعود کے کمزور حافظے کا ذکر کیا ہے۔ اہل حدیث علما نے اس نکتہ کو خوب اٹھایا ہے، ان کا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سوء حفظ کی وجہ سے اپنی

روایات میں رفع یدین کا ذکر کرنا بھول گئے ہیں۔''فقیہ امت'' پر اس الزام کا غلط ہونا اس قدر واضح ہے کہ کسی تردید کی ضرورت نہیں۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویہ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، البیان والتبیین (جاحظ)، الجامع المسند الصحیح (بخاری بشرح محمد داؤد راز)، المسند الصحیح المختصر من السنن (مسلم، شرکۃ دار الارقم)، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء (ابونعیم اصفہانی)، المنتظم فی تواریخ الملوک والامم (ابن جوزی)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبدالبر)، اسدالغابہ فی معرفۃ الصحابہ (ابن اثیر)، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال (مزی)، تاریخ الاسلام (ذہبی)، سیر اعلام النبلاء (ذہبی)، البدایہ والنہایہ (ابن کثیر)، الاصابہ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)، تہذیب التہذیب (ابن حجر)، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ (مقالہ: A.J.Wensinck)، Wikipedia۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

پروفیسر الطاف احمد اعظمی*

صلوٰۃ (نماز)

[یہ مصنف کی طبع شدہ کتاب ''اسلامی عبادات: تحقیقی مطالعہ'' کا ایک جز ہے۔ قارئین ''اشراق'' کے افادے کے لیے اس کتاب کے جملہ مباحث بالاقساط شائع کیے جا رہے ہیں۔]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۳

امام ترمذی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر شخص کو اپنی ہر حاجت خدا ہی سے مانگنا چاہیے یہاں تک کہ جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو خدا ہی سے مانگے۔'' یہ روایت بھی ملاحظہ فرمائیں جو حضرت ابن عباس سے مروی ہے:

''ایک دن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا، آپ نے فرمایا: اے لڑکے، میں تجھے چند باتوں کی تعلیم دیتا ہوں: اللہ کا خیال رکھو وہ تمھارا خیال رکھے گا، اللہ کا دھیان رکھو، اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔ جب مانگو، خدا سے مانگو اور جب مدد کے طالب ہو تو خدا سے مدد مانگو۔ جان رکھو کہ اگر سارے لوگ مل کر تمھیں کوئی نفع پہنچانا چاہیں تو تجھے نفع نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے جو اللہ نے تمھارے لیے لکھ دیا ہے، اور اگر سارے لوگ مل کر تمھیں کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو وہ تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے بجز اس کے جو اللہ نے تمھارے لیے لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور کاغذ کی سیاہی خشک ہو چکی ہے۔'' (ترمذی و احمد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم کی پیروی کرتے ہوئے ہر دور میں علماے حق نے مسلمانوں کو بتایا کہ بزرگان دین کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا، خواہ بالواسطہ یا بلاواسطہ، فعل شرک ہے۔ امام ابن تیمیہ نے ایک سائل کے استفسار

---

* آر زیڈ ۱۰۹ بی، فلیٹ نمبر ۲۰۴، تغلق آباد ایکسٹنشن، نئی دہلی-۱۹۔

میں لکھا ہے:

ومن اعظم الشرك ان يستغيث الرجل بمية او غائب كما ذكره السائل ويستغيث به عند المصائب، يقول يا سيدى فلان، كانه يطلب منه ازالة ضره وجلب منفعه، وهذا حال النصارىٰ فى المسيح وامه واحبارهم ورهبانهم، ومعلوم ان خير الخلق واكرمهم عند الله نبينا محمد صلى الله عليه وسلم، واعلم الناس بقدره وحقه اصحابه ولم يكونوا يفعلون شيئا من ذلك لافى الغيبة ولا بعد مماته.

(مجموعۂ فتویٰ، جامع الفرید ۴۳۹)

''یہ ایک بڑا شرک ہے کہ آدمی مردہ یا غائب کو پکارے جیسا کہ سائل نے دریافت کیا ہے، اور مصائب میں اس سے مدد مانگے، کہے یا سیدی فلاں، گویا وہ اس سے اپنی تکلیف کا ازالہ اور نفع حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہی معاملہ عیسائیوں کا مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ کے بارے میں ہے۔ اور معلوم ہے کہ مخلوق میں فضل اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور آپ کی قدر اور آپ کا حق سب سے زیادہ آپ کے اصحاب (صحابہ) جانتے تھے، لیکن انھوں نے اس قسم کا فعل نہ تو آپ کی زندگی میں کیا اور نہ آپ کی وفات کے بعد۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس تفصیلی گفتگو سے بالکل واضح ہو گیا کہ نماز اور شرک کا اجتماع ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ نماز توحید ہی کی عملی صورت ہے۔ نماز کا عقیدۂ توحید سے ویسا ہی تعلق ہے جیسا تعلق پھول اور اس کے رنگ و بو میں ہے۔ اگر پھول رنگ و بو سے محروم ہو کر حقیقی معنی میں پھول نہیں رہتا تو توحید کی خوشبو سے خالی نماز بھی ایک بے سود جسمانی عمل ہے۔ اس سے نمازی کو نہ دنیا میں کوئی فائدہ حاصل ہوگا اور نہ ہی آخرت میں بلکہ سخت ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ 'خَسِرَ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ خُسۡرَانُ الۡمُبِيۡنُ'۔

دین میں صلوٰۃ کا مقام

اسلام میں توحید کی حیثیت بنیاد کی ہے اور دین کی کل عمارت اسی بنیاد پر کھڑی ہے، اور توحید کی عملی شکل، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، نماز ہے۔ سورۂ بقرہ (۲) کے بالکل ابتدا میں فرمایا گیا ہے:

يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَيۡبِ وَيُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ. (آیت: ۳)

''وہ غیب (اللہ تعالیٰ) پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔''

اس آیت میں 'وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ ' کا جملہ اس بات کی وضاحت کے لیے لایا گیا ہے کہ نماز ایمان بالغیب میں داخل ہے، یعنی اس کے ایک لازمی تقاضے کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ دین قیم کا تعارف ان لفظوں میں کرایا گیا ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ وَذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ. (سورۂ بینہ ۹۸: ۵)

''ان کو اسی بات کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ ہی کی بندگی کریں، اسی کی خالص اطاعت کے ساتھ، بالکل یک سو ہو کر، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی ٹھیک دین ہے۔''

اس آیت میں جس دین قیم کا تعارف کرایا گیا ہے اس میں نماز اس کے اولین جز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی بنا پر نماز کو دوسری عبادات پر تقدم حاصل ہے۔ اس تقدم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ ہر رکن عبادت یعنی مخصوص حالات میں یا تو ترک ہو سکتا ہے یا موخر کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر زکوٰۃ صرف اس شخص پر عاید ہوتی ہے جو بقدر نصاب مال کا مالک ہو۔ روزہ طاقت نہ ہونے کی صورت میں ساقط ہو جاتا ہے اور بیماری یا سفر میں موخر کیا جا سکتا ہے۔ بیت اللہ کا حج راستے کے امن اور زاد راہ پر منحصر ہے۔ لیکن نماز ہر عاقل و بالغ مسلمان پر ہر حالت میں فرض ہے۔ یہ نہ بیماری میں چھوٹ سکتی ہے، نہ سفر اس کو ختم کر سکتا ہے اور نہ ہی زمانۂ پیری اس کی ادائی میں مانع ہو سکتا ہے۔ آدمی کھڑا ہو کر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھ کر پڑھنا ممکن نہ ہو تو لیٹ کر اشاروں سے پڑھے۔ حالت سفر میں جان و مال کے خوف کی وجہ سے اگر کسی جگہ ٹھہر کر نماز ادا کرنا محال ہو تو جس حال میں ہو، خواہ پیدل خواہ سوار، نماز ادا کرے۔ فرمایا گیا ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُکْبَانًا فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَمَا عَلَّمَکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ. (سورۂ بقرہ ۲: ۲۳۹)

''پس اگر تمھیں (دشمنوں سے) خوف دامن گیر ہو تو پیدل یا سوار جس حالت میں بھی ہو نماز ادا کرو۔ پھر جب خوف دور ہو جائے تو اللہ کو اس طرح یاد کرو جیسا کہ اس نے تم کو سکھایا ہے، جس کو تم نہیں جانتے تھے۔''

اتنا ہی نہیں، مسلمانوں کو عین حالت جنگ میں بھی نماز کی اقامت کا حکم دیا گیا ہے:

وَاِذَا کُنْتَ فِیْھِمْ فَاَقَمْتَ لَھُمُ الصَّلٰوۃَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَۃٌ مِّنْھُمْ مَّعَکَ وَلْیَاْخُذُوْٓا

''اور (اے پیغمبر) جب تم مسلمانوں میں موجود ہو (یعنی حالت جنگ میں) اور تم نماز میں ان کی امامت

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اَسۡلِحَتَھُمۡ فَاِذَا سَجَدُوۡا فَلۡيَكُوۡنُوۡا مِنۡ وَّرَآئِكُمۡ وَلۡتَاۡتِ طَآئِفَةٌ اُخۡرٰى لَمۡ يُصَلُّوۡا فَلۡيُصَلُّوۡا مَعَكَ. (سورۂ نساء۴:۱۰۲)

کر رہے ہو تو چاہیے کہ ان میں سے ایک گروہ تمھارے ساتھ کھڑا ہو اور وہ اپنے ہتھیار لیے رہیں۔ پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو تمھارے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ، جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے، تمھارے ساتھ نماز پڑھے۔''

عین حالت جنگ میں بھی نماز کا معاف نہ ہونا دین میں اس کے بلند مقام اور اس کی غیر معمولی اہمیت کی ایک بڑی دلیل ہے۔ عبادات کی مشروعیت کے پہلو سے دیکھیں تو اس سے بھی دین میں نماز کی اہمیت اور اس کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتداے نبوت میں جو سب سے پہلا حکم ملا وہ قیام نماز کا تھا۔ سورۂ علق (۹۶) میں، جو نزول وحی کی ترتیب کے اعتبار سے پہلی سورہ ہے، فرمایا گیا ہے:

كَلَّا لَا تُطِعۡهُ وَاسۡجُدۡ وَاقۡتَرِبۡ. (۱۹)

''ہرگز نہیں، اس کی بات نہ مانو اور سجدہ کرو اور (اپنے رب کا) قرب حاصل کرو۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

سورۂ مزمل (۷۴) میں ارشاد ہوا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الۡمُدَّثِّرُ، قُمۡ فَاَنۡذِرۡ، وَرَبَّكَ فَكَبِّرۡ. (۱-۳)

''اے چادر لپیٹ کر سونے والے! اٹھو اور لوگوں کو ڈراؤ اور اپنے رب ہی کی بڑائی بیان کرو۔''

اس سے قریبی زمانہ کی ایک دوسری سورہ کے اندر یہ حکم قدرے تفصیل کے ساتھ آیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الۡمُزَّمِّلُ، قُمِ الَّيۡلَ اِلَّا قَلِيۡلًا، نِّصۡفَهٗٓ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡهُ قَلِيۡلًا، اَوۡ زِدۡ عَلَيۡهِ وَرَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِيۡلًا. (سورۂ مزمل۷۳:۱-۴)

''اے چادر لپیٹ کر سونے والے! رات کو نماز میں تھوڑی دیر کے لیے کھڑے رہو، آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا اس سے کچھ زیادہ کر لو، اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔''

قرآن مجید میں بعض دوسرے مقامات پر بھی نماز کے اہتمام کی ہدایت ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

وَاۡمُرۡ اَهۡلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصۡطَبِرۡ عَلَيۡهَا. (سورۂ طٰہٰ ۲۰:۱۳۲)

''اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور اس پر جمے رہو۔''

دوسری جگہ ہے:

قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى وَاُمِرۡنَا

''کہہ دو، اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔ اور ہم

لِنُسۡلِمَ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ وَاَنۡ اَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوۡهُ وَهُوَ الَّذِىۡۤ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ. (سورۂ انعام ۶: ۷۱-۷۲)

کو یہ حکم ملا ہے کہ ہم پروردگار عالم کے آگے سر اطاعت خم کریں، اور یہ کہ نماز قائم کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو۔ اور وہی ہے جس کے حضور تم سب جمع کیے جاؤ گے۔''

ایک اور جگہ فرمایا ہے:

اُتۡلُ مَاۤ اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ مِنَ الۡكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ. (سورۂ عنکبوت ۲۹: ۴۵)

''جو کتاب تمھاری طرف بذریعۂ وحی بھیجی گئی ہے اس کو پڑھو اور نماز قائم کرو۔''

احادیث سے بھی دین کے اندر نماز کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ اس امر کے قائل ہو جائیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔ اگر وہ ایسا کر لیں گے تو وہ بجز حق اسلام کے، اپنی جانوں اور مالوں کو مجھ سے محفوظ کر لیں گے اور ان کا حساب خدا کے ذمہ ہے۔''

بخاری و مسلم دونوں میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب نبی اکرم نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو فرمایا:

''تم ایسے لوگوں کے پاس جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں۔ انھیں سب سے پہلے اس بات کی دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں اور محمد اس کے رسول ہیں۔ اگر وہ یہ بات تسلیم کر لیں تو پھر انھیں بتانا کہ خداوند پاک نے رات اور دن میں ان پر پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ اسے بھی تسلیم کر لیں تو ان سے کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ بھی فرض کی ہے جو ان کے مال داروں سے لے کر ان کے غربا میں تقسیم کی جائے گی۔ پس جب وہ لوگ اس بات کو بھی مان لیں تو خبردار ان کے اعلیٰ درجہ کے مال (چھانٹ چھانٹ کر) نہ لینا اور مظلوم کی آہ سے بچتے رہنا، کیونکہ اس کے اور جناب باری تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے۔''

پچھلی شریعتوں کو دیکھیں تو اس سے بھی نماز کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ ہر نبی اور رسول کے دین میں نماز کو مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ ہمارے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذریت کو مکہ کی وادی بے آب و گیاہ میں بسایا تو اس کی غرض قیام نماز کے سوا کوئی دوسری چیز نہ تھی، جیسا کہ فرمایا گیا ہے:

رَبَّنَاۤ اِنِّىۡۤ اَسۡكَنۡتُ مِنۡ ذُرِّيَّتِىۡ بِوَادٍ غَيۡرِ

''اے ہمارے رب! میں نے اپنی اولاد کو ایک

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ. (سورۂ ابراہیم ۱۴: ۳۷)

بے آب و گیاہ وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس بسایا ہے، اے ہمارے رب، تاکہ وہ نماز قائم کریں۔‘‘

آگے ان الفاظ میں دعا فرماتے ہیں:

رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ. (سورۂ ابراہیم ۱۴: ۴۰)

’’اے میرے پروردگار! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد میں سے بھی میرے پروردگار، اور میری دعا قبول فرما۔‘‘

آپ کا یہ دعا فرمانا کہ الٰہی مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا، جہاں اللہ سے آپ کی غیر معمولی محبت اور تعلق خاطر کی علامت ہے وہیں اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ایک مسلم کی زندگی میں نماز کا کیا مقام ہونا چاہیے اور دنیا میں اس کی تگ ودو اور جاں فشانی کس مقصد کے لیے ہونی چاہیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد کو اللہ کی طرف سے جو احکام دیے گئے ان میں بھی نہ صرف نماز کا حکم موجود ہے بلکہ وہ سرفہرست ہے۔ فرمایا گیا ہے:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ نَافِلَةً وَكُلًّا جَعَلۡنَا صٰلِحِيۡنَ، وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡهِمۡ فِعۡلَ الۡخَيۡرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيۡتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوۡا لَنَا عٰبِدِيۡنَ.

(سورۂ انبیاء ۲۱: ۷۲-۷۳)

’’اور ہم نے اسے اسحاق اور فضل مزید کے طور پر یعقوب عطا کیے۔ اور دونوں ہی کو صالح بنایا، اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں کو راہ ہدایت دکھاتے تھے۔ اور ہم نے ان کو اچھے کاموں کی اور اقامت صلوٰۃ اور ایتاے زکوٰۃ کی ہدایت کی، اور وہ ہماری بندگی کرنے والے تھے۔‘‘

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذکر میں ہے:

وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ اِسۡمٰعِيۡلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الۡوَعۡدِ وَكَانَ رَسُوۡلًا نَّبِيًّا، وَكَانَ يَاۡمُرُ اَهۡلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنۡدَ رَبِّهٖ مَرۡضِيًّا. (سورۂ مریم ۱۹: ۵۴-۵۵)

’’اور کتاب میں اسماعیل کی سرگزشت کو یاد کرو۔ بے شک وہ وعدے کا پکا اور رسول اور نبی تھا۔ وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھا۔‘‘

حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور حضرت اسماعیل علیہم السلام کے بعد جو پیغمبر بھی آیا اس کے دین کا سرعنوان

نماز تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور کی وادی مقدس میں جو پہلا فرمان خدا املا وہ یہ تھا:

اِنَّـنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ. (سورۂ طٰہٰ ۲۰:۱۴)

''بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔''

سورۂ یونس (۱۰) میں یہی حکم قدرے تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، فرمایا:

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی وَاَخِیْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ. (آیت ۸۷)

''اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی کی کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں چند گھر خاص کر لو اور اپنے ان گھروں کو قبلہ بناؤ اور نماز قائم کرو، اور اہل ایمان کو خوش خبری سنا دو۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی پیدایش کے فوراً بعد قوم یہود کے سامنے جو معجزانہ تقریر کی اس کا ایک اہم جز نماز ہے۔ فرمایا:

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا. (سورۂ مریم ۱۹:۳۱)

''(حضرت عیسیٰ نے) کہا، میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا کی اور نبی بنایا اور مجھے بابرکت ٹھیرایا جہاں کہیں بھی میں ہوں۔ اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں[۳]۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

---

[۳] مقام حیرت ہے کہ ان واضح تعلیمات کے باوجود یہود و نصاریٰ نے نہ صرف قیام نماز میں غفلت دکھائی بلکہ اپنی مقدس کتاب سے اس کا نام و نشان تک حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔ چنانچہ موجودہ تورات اور اناجیل میں کہیں نماز کا واضح ذکر نہیں ملتا حتیٰ کہ تورات میں اس مقام پر جہاں میثاق بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے نماز کا کوئی ذکر نہیں، جبکہ وہ میثاق میں شامل تھی، جیسا کہ قرآن مجید کا بیان ہے۔ (سورۂ بقرہ ۲:۸۳) اس پختہ عہد و میثاق کے بعد بنی اسرائیل کا تارک نماز ہو جانا اور اپنی مذہبی کتابوں سے اس کو محو کر دینا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وہ دین میں نماز کے مقام اور اس کی اہمیت سے قطعاً غافل ہو چکے تھے۔ ان کی اس غفلت پیہم کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خواہشات نفسانی کے اسیر و پرستار بن گئے، فرمایا گیا ہے:

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا.

(سورۂ مریم ۱۹:۵۹)

''پھر ان کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوئے جنھوں نے نماز ضائع کر دی اور خواہشات نفس کی پیروی کی۔ پس وہ لوگ عنقریب گم راہی کے انجام سے دوچار ہوں گے۔''

تعمیل شریعت کے پہلو سے بھی نماز کی اہمیت بالکل واضح ہے۔ بلاشبہ نماز اللہ کے حکموں کی بجا آوری کو آسان بناتی ہے۔اس کی حیثیت شہر پناہ کی ہے۔ جو شخص اس شہر پناہ کے اندر داخل ہوا وہ نفس کے فتنوں سے محفوظ ہو گیا، اور جس کو یہ شہر پناہ نہیں ملی اس کے لیے ناممکن ہے کہ وہ نفس کی فتنہ انگیزیوں سے مامون رہ سکے۔ فرمایا گیا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ، الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ، وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ، وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ، وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ، اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ، فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ، وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ، وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ.

”ان مومنوں نے فلاح پائی جو اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے ہیں، جو فضول باتوں سے منہ موڑنے والے ہیں، جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں، جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں بجز اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے۔ اس معاملے میں ان کو کوئی ملامت نہیں مگر جس نے اس کے علاوہ چاہا تو وہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں، اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی پاس داری کرنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی خبر گیری کرتے ہیں۔“

(سورۂ مومنون ۲۳: ۱-۹)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

دیکھیں، ان آیتوں کی ابتدا نماز سے ہوئی اور نماز ہی پر اختتام ہوا ہے اور ان کے درمیان میں دین کے چند بنیادی احکام اور اخلاقی باتوں کا ذکر ہے۔ اس اسلوب بیان سے بالکل واضح ہے کہ نماز کے بغیر دین کے بنیادی احکام کی تعمیل اور حسن اخلاق کی حفاظت مشکل ہے۔ ترک نماز کا مطلب دین و اخلاق کی پوری عمارت کا انہدام ہے۔ نماز اور اخلاق و شرائع میں اس گہرے تعلق کی وجہ سے قرآن مجید میں جہاں احکام بیان کیے گئے ہیں وہاں بالعموم ان کے آخر میں نماز کا ذکر ہوا ہے۔ مثلاً سورۂ بقرہ (۲) میں نکاح و طلاق کے احکام کے بعد فرمایا گیا ہے:

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ. (سورۂ بقرہ ۲: ۲۳۸)

”نماز کی حفاظت کرو، بالخصوص درمیان کی نماز کی، اور اللہ کے آگے فرماں بردار کی طرح کھڑے رہو۔“

اسی طرح سورۂ نور (۲۴) میں احکام زنا اور عائلی زندگی سے متعلق بعض احکام کے بیان کے بعد ایک حسین تمثیل کا ذکر ہے اور پھر فرمایا گیا ہے:

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ،

”یہ طاق ایسے گھروں میں ہیں جن کی تعمیر کا خدا نے حکم دیا ہے اور ہدایت کی ہے کہ ان میں اس کے نام کا

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ. (۳۶-۳۷)

ذکر کیا جائے۔ان میں صبح وشام ایسے لوگ خدا کی تسبیح کرتے ہیں جن کو تجارت اور خرید وفروخت (کے مشاغل) اللہ کے ذکر، اہتمام نماز اور ادائیگی زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتے۔''

سورۂ نساء (۴) میں یتیموں کے ساتھ حسن سلوک، بیوہ عورتوں سے ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت، میراث کے احکام، ارتکاب فواحش کے بعد کی تعزیری تدابیر، عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت اور نکاح وطلاق کے اہم مسائل کے متعلق واضح ہدایات، خداے واحد کی عبادت اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک اور انفاق مال کے ذکر کے بعد اہل ایمان کو نماز کے متعلق ایک اہم ہدایت دی گئی ہے۔فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ. (آیت:۴۳)

''اے ایمان والو، نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ تا آنکہ جان لو جو تم (اپنی زبان سے) کہتے ہو۔''

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

اسی طرح سورۂ مائدہ (۵) میں حرام اور حلال چیزوں کی تفصیل کے بعد فرمایا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ. (آیت:۶)

''اے ایمان والو، جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھولو۔''

ہم نے گذشتہ صفحات میں مختلف جہتوں سے نماز کے مقام اور اس کی اہمیت کا جو جائزہ لیا ہے اس سے بالکل واضح ہو گیا کہ دین میں اس کی وہی حیثیت ہے جو جسم میں روح کی ہے۔جس قدر نماز میں ضعف آئے گا اسی قدر دین میں بھی ضعف پیدا ہو گا، اور اگر نماز قوی ہے تو لازماً دین بھی قوی ہو گا۔صحابہ رضی اللہ عنہم نماز کی اس خصوصیت سے پوری طرح آگاہ تھے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں تمام عاملوں کو لکھا کرتے تھے۔

ان اهم امركم عندى الصلوة فمن حفظها وحافظ عليها حفظ دينه ومن ضيعها فهو لماسواها اضيع. (موطا، کتاب الصلوٰۃ، رواہ نافع مولیٰ عبداللہ ابن عمر)

''میرے نزدیک تمھارے کاموں میں سب سے بڑھ کر اہمیت نماز کو حاصل ہے۔جس نے اس کی حفاظت کی اور اس پر مداومت اختیار کی اس نے پورے دین کی حفاظت کی اور جس نے اسے ضائع کیا وہ دوسری چیزوں کو اور بھی ضائع کرنے والا ہو گا۔''

ترک صلوٰۃ

دین کے اندر نماز کی اس اہمیت کے پیش نظر یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا ہے کہ کوئی مسلمان تارک نماز ہو گا۔ لیکن آج بہت سے مسلمان زبان سے اقرار ایمان کے باوجود نماز نہیں پڑھتے۔ کیا وہ فی الواقع مسلمان ہیں؟ اس وقت چونکہ مسلم معاشرہ کی ایمانی حالت میں نا قابل بیان ضعف آ گیا ہے اس لیے یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ جو آدمی زبان سے اقرار ایمان کرے، کم از کم جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھتا ہو اور بعض مذہبی شعائر، مثلاً قربانی و ختنہ وغیرہ، مسلمانوں جیسے رکھتا ہو تو وہ مسلمان ہے۔ لیکن قرآن مجید سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی۔ ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ. (سورۂ توبہ ۹:۱۱)

''اگر وہ توبہ کر لیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو وہ دین میں تمھارے بھائی ہیں۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دین اسلام میں داخل ہونے کے لیے تین باتوں پر عمل ضروری ہے، ایک شرک سے توبہ اور توحید کا اقرار، دوسرے قیام نماز اور تیسرے ایتاے زکوٰۃ۔ جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو اس میں شاید ہی کسی مسلمان کو اختلاف ہو، یعنی یہ کہنے کی جرأت کوئی مسلمان نہ کرے گا کہ خدا کی ذات و صفات میں وحدانیت کا منکر بھی مسلمان ہو سکتا ہے۔ البتہ دوسری اور تیسری بات میں تھوڑا تردد ممکن ہے جبکہ ان کا تارک، زبان سے اقرار ایمان کرتا ہو۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ قرآن کے مطلوب مسلمان کے بارے میں یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا ہے کہ وہ نماز جیسے بنیادی فرض کا تارک ہو گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان اور نماز لازم و ملزوم ہیں۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ. (سورۂ مائدہ ۵:۵۵)

''تمھارے دوست تو بس اللہ، اس کے رسول اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور فروتنی اختیار کرتے ہیں۔''

مولانا امین احسن اصلاحی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

''یہ 'لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا' سے بدل ہے جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ ایمان کی عملی تعبیر اقامت صلوٰۃ اور ایتاے زکوٰۃ ہے۔ عطف کے بجاے بدلیت کے اسلوب سے اس کو تعبیر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حکمت شریعت کے پہلو سے ایمان اور نماز و زکوٰۃ میں کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ دونوں بالکل لازم و ملزم ہیں۔ جہاں ایمان موجود ہے نماز اور زکوٰۃ لازماً موجود ہوں گی۔ اگر یہ غائب ہیں تو یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ ایمان بھی غائب ہے۔'' (تدبر قرآن ۲/۵۴۸)

احادیث سے بھی اس خیال کی تائید ہوئی ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے:

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

العھد الذی بیننا و بینھم الصلٰوۃ فمن ترکھا فقد کفر.
(احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، رواہ بریدہ)

''ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد ہے (یعنی بنائے تعلق) وہ نماز ہے۔ پس جس نے اس کو چھوڑ دیا اس نے کفر کیا (اور اس سے ہمارا تعلق منقطع ہو گیا)۔''

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہوا ہے:

ان بین الرجل و بین الشرک و الکفر ترک الصلٰوۃ. (مسلم، رواہ جابر بن عبداللہ)

''بلاشبہ آدمی اور شرک و کفر کے درمیان جو حد فاصل ہے وہ ترک نماز ہے۔''

ان روایات سے بالکل واضح ہو گیا کہ جس شخص نے فرض نماز ترک کر دی اس نے اپنے ''ایمان بالغیب'' کی خود اپنے عمل سے تکذیب کر دی۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ نماز خدا پر ایمان کا خارجی اظہار ہے۔ اگر نماز نہیں تو گویا ایمان باللہ بھی موجود نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایسا کوئی شخص مسلمان نہیں سمجھا جاتا تھا جو تارک نماز ہو۔ اس سلسلے میں تین واقعے قابل ذکر ہیں جن کا تعلق عہد نبوت سے ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ایک واقعے کے راوی ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ:

''حضرت علی نے یمن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دباغت شدہ چمڑے میں سونا بھیجا جس میں ابھی کان کی مٹی لگی ہوئی تھی۔ رسول اللہ نے اسے چار لوگوں، زید الخیر، اقرع بن حابس، عینیہ بن حصن اور علقمہ بن علاثہ (یا عامر بن طفیل) میں تقسیم کر دیا۔ اس تقسیم سے بعض لوگوں کو ناراضی ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ مجھے امین نہیں سمجھتے، جبکہ میں اس ذات کا امین ہوں جو آسمان میں ہے۔ پھر ایک آدمی آیا جس کی آنکھیں ڈھیلے کے اندر، رخسار بڑے اور بھرے ہوئے، پیشانی ابھری ہوئی، داڑھی کے بال گھٹے ہوئے، تہ بند پنڈلیوں سے اٹھا ہوا اور سر کے بال منڈے ہوئے تھے۔ اس نے کہا، اے اللہ کے رسول! اللہ سے ڈریں۔ آپ نے اس کی طرف سر اٹھایا اور فرمایا، تیری ہلاکت، کیا میں تمام ساکنان زمین سے زیادہ اس بات کا حق دار نہیں کہ اللہ سے ڈروں۔ یہ کہہ کر آپ نے اس کی طرف سے چہرہ پھیر لیا۔ یہ دیکھ کر خالد نے کہا، یا رسول اللہ، کیا میں اس کی گردن نہ اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا: شاید نماز پڑھتا ہو 'فلعله یکون یصلی' خالد نے کہا: کبھی کبھی پڑھتا ہے، اپنی زبان سے وہ بات کہتا ہے جو اس کے دل میں نہیں ہے 'انه ربّ مصلی، یقول بلسانه ما لیس فی قلبه' رسول اللہ نے فرمایا: مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے دلوں میں نقب لگاؤں یا ان کے شکم چاک کروں۔ 'انی لم أومر أن انقب عن قلوب الناس و لااشق بطونهم' (مسند امام احمد بن حنبل ۳/۴۰۳)

دوسرے واقعے کے راوی بسر بن محجن ہیں۔ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:

''ایک بار وہ (مجن) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مجلس میں شریک تھے۔ اذان ہوئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور لوگوں کے ساتھ نماز ادا فرمائی اور پھر مجلس میں واپس تشریف لائے۔ وہ (یعنی مجن) مجلس ہی میں بیٹھے رہے، رسول اللہ کے ساتھ شریک نماز نہ ہوئے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم نے لوگوں کے ساتھ نماز کیوں نہیں ادا کی، کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ 'ألست برجل مسلم' انھوں نے عرض کیا: کیوں نہیں یارسول اللہ، میں دراصل اپنے اہل خانہ کے ساتھ نماز پڑھ چکا تھا (اس لیے آپ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی) آپ نے فرمایا: تم لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ لیتے خواہ پہلے پڑھ چکے تھے۔''

(موطا، کتاب الصلٰوۃ، باب: اعادۃ الصلٰوۃ مع الامام)

تیسرے واقعے کے راوی عبیداللہ ابن عدی بن الخیار ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

''ایک بار کا واقعہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی (عتبان بن مالک) آیا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کے انداز میں کچھ کہا، لیکن یہ نہ معلوم ہوسکا کہ اس نے کیا سرگوشی کی یہاں تک کہ اسے رسول اللہ نے ظاہر کر دیا۔ وہ شخص ایک منافق آدمی (مالک بن الدخشم) کے قتل کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونچی آواز میں فرمایا: کیا وہ گواہی نہیں دیتا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمد اس کے رسول ہیں؟ اس شخص نے کہا: کیوں نہیں، لیکن اس کی شہادت، شہادت نہیں ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا وہ نماز نہیں پڑھتا؟ اس شخص نے کہا: کیوں نہیں، لیکن اس کی نماز، نماز نہیں ہے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَهَانِي اللَّهُ عَنْهُمْ' ''ایسے لوگوں کو قتل کرنے سے اللہ نے مجھ کو منع کر دیا ہے۔''

(موطا، کتاب الصلٰوۃ، باب جامع الصلٰوۃ)

متذکرہ بالا واقعات سے، جن کا تعلق دور نبوت سے ہے، کسی ادنیٰ اشتباہ کے بغیر معلوم ہو گیا کہ کسی شخص کے مسلمان ہونے کے لیے ''شہادتین'' کے اقرار کے ساتھ نماز کا باضابطہ اہتمام ضروری ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ قلب میں حقیقی معنی میں ایمان موجود ہو اور بندے کے عمل سے اس کا اظہار نہ ہو یعنی وہ تارک نماز ہو۔

اس سلسلے میں علما و فقہا کی رائے مختلف ہے۔ جو شخص تارک نماز ہو اور اس کو فرض بھی نہ جانتا ہو تو وہ متفقہ طور پر کافر ہے۔ لیکن اگر اس کی فرضیت کا منکر نہ ہو اور محض غفلت ترک نماز کی علت ہے تو علما و فقہا کے ایک بڑے گروہ کا خیال ہے کہ وہ کافر نہ ہوگا بلکہ فاسق سمجھا جائے گا، اور اگر وہ اپنی غلطی محسوس کر لے اور اقامت صلٰوۃ پر کاربند ہو جائے تو قابل معافی ہے ورنہ واجب القتل ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کا یہی مسلک ہے۔ لیکن فقہا کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ تارک نماز بہر حال کافر ہے۔ اس سلسلے میں امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ تارک نماز کو کافر نہیں کہا جا سکتا ہے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

لیکن سزا کے طور پر اس وقت تک قید رکھا جائے گا جب تک کہ وہ نماز نہ شروع کر دے۔[۴]

ممکن ہے کہ اس دنیا میں تارک نماز کو قانونی اعتبار سے مسلمان سمجھ لیا جائے اور وہ سزا سے بچ بھی جائے لیکن روز آخرت وہ بہر حال مسلمانوں کے زمرہ سے خارج ہوگا۔ ایک روایت میں فرمایا گیا ہے:

''جس نے نماز کی نگہداشت نہیں کی اس کے لیے (روز قیامت) نہ روشنی ہوگی نہ (اس کے مومن ہونے کی) دلیل بنے گی اور نہ اس کے لیے وجہ نجات ہوگی۔ قیامت میں اس کا حشر قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔'' (رواہ احمد، الدارمی والبیہقی، مشکوٰۃ ۱/۵۹)

[باقی]

---

[۴] نیل الاوطار ۱/۳۶۹۔